

مشترکہ خاندانی نظام  
اور اس سے متعلق شرعی مسائل و احکام

تالیف :

مفتی عبید الرحمان صاحب ، مردان

رئیس دارالافتاء والارشاد، مردان

مکتبہ دارالتقویٰ، مردان

## فہرست مضامین

۶	پیش لفظ
۹	مقدمہ
۹	ضابطہ نمبر: ۱
۹	مال دینے کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام
۱۰	عمل مہیا کرنے کی مختلف صورتیں اور اس کا ضابطہ
۱۳	نفع میں استحقاق کا ضابطہ
۱۵	ضابطہ نمبر: ۴
۱۵	اسبابِ ملک
۱۷	ضابطہ نمبر: ۵
۱۷	کسی عمل کے ساتھ منکرات کا شامل ہونا
۲۰	ضروریات و مصالح اور مفاسد و منکرات شامل ہونے کے شرعی حدود و قیود
۲۲	ضابطہ نمبر: ۶
۲۲	شرکتِ فاسدہ میں تقسیمِ نفع کا طریقہ کار
۲۵	فصل اول
۲۵	مشترکہ خاندانی نظام اور اس کے فوائد و مفاسد
۳۰	انفرادی اور مشترکہ خاندانی نظام کا شرعی حکم
۳۳	فصل دوم:
۳۳	مشترکہ خاندانی نظام میں کاروبار کی مختلف شکلیں

- ۳۳ ..... اولاد کا والد کے ساتھ کاروبار کرنا
- ۳۴ ..... اولاد کے معاون یا اجیر ہونے کا ضابطہ
- ۳۷ ..... مال اور عمل میں فرق
- ۴۰ ..... فتاویٰ خیر یہ وغیرہ کے جزیات کا محمل
- ۴۴ ..... چھوٹے بھائیوں کا بڑے بھائی کے ساتھ مل کر شراکت کرنا
- ۴۵ ..... بھائیوں کا مرحوم والد کے ترکہ میں کاروبار کرنا
- ۴۷ ..... پہلی صورت کا حکم
- ۴۷ ..... دوسری صورت کا حکم
- ۴۹ ..... تیسری صورت کا حکم
- ۴۹ ..... چوتھی صورت کا حکم
- ۵۱ ..... پانچویں صورت کا حکم
- ۵۲ ..... بیوی کا شوہر کے ساتھ کاروبار میں شریک ہونا
- ۵۲ ..... عورت کے کاروبار کرنے کا حکم
- ۵۳ ..... میاں بیوی کے مشترکہ کاروبار کا حکم
- ۵۷ ..... فصل سوم:
- ۵۷ ..... مشترکہ خاندانی نظام میں زکوٰۃ وغیرہ مختلف عبادت سے متعلق احکام
- ۵۷ ..... زکوٰۃ و قربانی وغیرہ کا مسئلہ
- ۵۸ ..... مخلوط کمائی کی وجہ سے زکوٰۃ و قربانی کا حکم
- ۵۹ ..... تملیک و توکیل پہچاننے کا ضابطہ

- ۶۱ ..... ایک شریک کا دوسرے کی طرف سے زکوٰۃ و قربانی کرنے کا حکم
- ۶۲ ..... فصل چہارم:
- ۶۳ ..... مشترکہ چیزوں کو استعمال کرنے اور مشترکہ اخراجات سے متعلق مسائل ...
- ۶۴ ..... مشترکہ چیزوں کو استعمال کرنے کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام
- ۶۸ ..... دوسرے شریک کی چیز استعمال کرنا
- ۷۰ ..... اجازت لینے میں ایک کو تاہی
- ۷۱ ..... مشترکہ چیز کے ضائع کرنے پر تاوان کی صورتیں
- ۷۵ ..... مشترکہ مقاصد کی خاطر لئے ہوئے قرضہ جات کا حکم
- ۷۶ ..... شرکاء پر مشترکہ قرضہ کے رجوع کرنے کا حکم
- ۷۸ ..... مشترکہ مال میں سے خریداری کرنے کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام ...
- ۸۱ ..... مشترکہ اخراجات میں رجوع کرنے کا حکم
- ۸۴ ..... کن کن مصارف میں شرکاء کو مجبور کیا جاسکتا ہے؟
- ۸۷ ..... فصل پنجم:
- ۸۷ ..... مشترکہ خاندانی نظام سے متعلق متفرق مسائل
- ۸۷ ..... مشترکہ گھرانے میں کسی ایک کی کمائی حرام ہو
- ۸۹ ..... مشترکہ گھرانہ میں پردہ کے حدود
- ۹۳ ..... احسان و بھلائی کی وجہ سے کسی کی کمائی میں شرکت کا دعویٰ
- ۹۴ ..... ایک بستر پر سونے کا حکم
- ۹۷ ..... فصل ششم:

- ۹۷ ..... نابالغ بچوں کے املاک کے حکام
- ۹۷ ..... نابالغ بچوں کی چیزیں استعمال کرنے کا حکم
- ۱۰۱ ..... بچوں کا ایک دوسرے کو چیزیں دینا
- ۱۰۱ ..... بچوں کے املاک کے متعلق مشکلات سے بچنے کی آسان تدبیر
- ۱۰۲ ..... بچوں کے نام تحفہ و تحائف کا حکم
- ۱۰۵ ..... بیٹے کے مال میں تصرف کرنے کے حدود
- ۱۰۶ ..... "انت و مالک لایبیک" کا دائرہ کار

## پیش لفظ

الحمدُ لولّٰیہ والصَّلَاةُ عَلٰی نَبِیِّہِ وَعَلٰی آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الْمَتَّأدِّیْنَ  
بأدابه، أما بعد:

مشترکہ خاندانی نظام اور اس کے متعلق شرعی مسائل و احکام کے متعلق یہ چند اوراق آپ کے ہاتھ میں ہے، اس کے لکھنے کی وجہ یہ بنی کہ ہمارے ہاں یہ نظام قدیم زمانے سے رائج ہے اور تقریباً تمام گھرانوں کا ابھی تک نسل در نسل یہی معمول چلتا چلا آ رہا ہے اس لئے اس کے متعلق مختلف قسم کے سوالات دارالافتاء میں آتے تھے جن میں سے بعض سوالات اتنے پیچیدہ اور ہمہ گیر نوعیت کے حامل تھے جس کو محض ایک سوال کے جواب کے طور پر یا فتویٰ کی شکل میں لکھنا مشکل تھا، بلکہ اس کے مناسب حل کے لئے نہایت تحقیق و تدقیق کی ضرورت تھی، دوسری طرف اس نظام میں بعض پیچیدگیاں اور کچھ ایسے عناصر بھی مشاہدہ میں آتے رہیں جو بار بار اس نظام کے فوائد و مفاسد کے موازنہ کرنے کی طرف دعوت دیتے تھے اور اس کے نتیجے میں کچھ لکھنے کی ضرورت بار بار محسوس ہوتی رہی، ان دو بنیادی اسباب کی وجہ سے یہ چند صفحات سیاہ کرنے کا داعیہ دل میں پیدا ہوا۔

اس تحریر کے تیار ہو جانے کے بعد کئی ساتھیوں کی خدمت میں پیش کیا تاکہ وہ علمی و تنقیدی طور پر اس کا مطالعہ فرمائیں کیونکہ فقہ و فتویٰ کے میدان کی طبیعت اور اس کا مزاج ہی کچھ ایسا ہے جس میں محض ایک آدمی کی رائے عموماً کفایت نہیں کرتی بلکہ علم و تحقیق کے بہت کچھ گوشے، اشیاء و نظائر کے متنوع زاویے اور بیان و تعبیر کے کئی اسالیب ایسے ہوتے ہیں جن کی طرف عام طور پر

ایک آدمی کے ذہن کی رسائی نہیں ہو پاتی اور مختلف اہل علم کے توجہ دلانے سے اس کی طرف کچھ تنہہ حاصل ہو جاتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ یہ احساس بھی ہوتا رہا کہ ان جیسے اہمیت کے حامل مسائل کی شرعی حیثیت کے متعلق فرد واحد کا فتویٰ یا اس کی تحریر سے امت مرحومہ کو کوئی خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات ایسا اقدام، خواہ کتنے ہی اخلاص و دیانت داری پر مبنی ہو، لیکن مستقبل میں امت کے لئے کئی علمی و عملی مسائل و مشکلات کا سبب بن جاتا ہے۔

اس احساس کی وجہ سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہمارے ہاں دارالافتاء دارالعلوم الرحمانیہ کی حد تک محدود "مجلس فقہی" میں اس پوری تحریر کو رکھا جائے، چنانچہ سب شرکاء نے اولاً پوری تحریر کا تنقیدی مطالعہ کیا اور ساتھ اپنی تجاویز و تحفظات لکھے، اس کے بعد تمام اراکین کی موجودگی میں باقاعدہ ایک مجلس ہوئی جس میں پوری تحریر اور تمام تجاویز و تحفظات پر غور کیا گیا اور اس کے مطابق اصلاحات و اضافات کئے گئے، اس کے بعد اب اس کی طباعت کا مرحلہ شروع کیا گیا۔

تحریر کے شروع میں ارادہ یہ تھا کہ عامیانہ زبان و بیان میں ایک کتابچہ تیار کیا جائے تاکہ معاشرہ کے عام احباب بھی اس کو آسانی کے ساتھ پڑھ دیکھ سکے اور یوں ان منکرات و تنازعات کا سدباب ہو سکے جو اس سلسلہ میں عام معاشرہ میں رائج ہے اور جن کی اصلاح کی خاطر یہ کتابچہ تیار ہوا تھا، لیکن بعد میں مختلف مسائل میں غور و فکر کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ اس طرح کرنے میں صلاح و خیر کے بجائے نقصان کا خطرہ زیادہ ہے کیونکہ اکثر مسائل ایسے ہیں جن کی متنوع شقیں اور مختلف احکام ہیں اور ان مختلف صورتوں کا ذکر کرنا ضروری بھی ہے، کیونکہ سب ہی شکلیں

برابر رائج ہیں، اور تجربہ یہ ہے کہ جب عام افراد کے سامنے کسی مسئلہ کے مختلف پہلو آتے ہیں تو دینی تصلب و حمیت کے کمزور ہونے کی وجہ سے عموماً وہ وہی شق اختیار کرتے ہیں جس میں ان کو کوئی مالی منفعت یا کچھ دنیوی مفاد حاصل ہو سکے اگرچہ اس میں جھوٹ و بددیانتی تک کا ارتکاب کرنا پڑے، چنانچہ اسی لئے بہت سے اصولیین و فقہاء نے فتویٰ کے آداب میں سے ایک یہ ادب بھی ذکر فرمایا کہ عام مسائل کے جواب میں مسئلہ کی مختلف شقیں بالکل ذکر نہ کی جائیں بلکہ مستفتی سے تنقیح کروا کر کسی ایک شق کو متعین کیا جائے اور پھر صاف واضح الفاظ میں صرف اسی متعلقہ شق کے جواب دینے پر اکتفاء کی جائے، اس تجربہ کی بنیاد پر تحریر کا انداز عامیانه نہیں رکھا گیا بلکہ کچھ علمی و فقہی اصطلاحات و تکلیفات کا بھی ذکر کیا گیا۔

آخر میں تمام اہل علم کی خدمت میں التجاء ہے کہ اگر اس میں کوئی علمی / فقہی سقم ہو یا مزید کچھ اصلاح و اضافہ کرنے کی ضرورت ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور قابل اصلاح پہلو ہو، تو ضرور اس ناکارہ کو اطلاع فرمائیں تاکہ اس سے استفادہ کیا جاسکے اور غور و خوض کے بعد اس کے مطابق تصحیح کی جائے۔

ان بے ربط کلمات کو ختم کرنے سے پہلے میں ان تمام احباب کا دلی شکر یہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس رسالہ کی تیاری یا طباعت میں کسی بھی طرح اس ناکارہ کا تعاون کیا خصوصاً اپنے رفقاء دارالافتاء و اراکین مجلس فقہی کا، اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کو بہترین بدلہ نصیب فرمائیں، اور ہم سب کو اپنے پورے دین متین پر صبر و استقامت اور تصلب کے ساتھ رہنے اور اس کی خدمت کرتے رہنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین

## مقدمہ

مقدمہ میں موضوع سے متعلق چھ بنیادی ضوابط مذکور ہیں۔

### ضابطہ نمبر: ۱

#### مال دینے کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام

کسی کو مال دینے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں: جس کو مال دیا جا رہا ہو، اس کو اس مال کا مالک بنا دینا مقصود ہو گا یا نہیں؟ اگر مالک بنانا مقصود ہو تو واپس کرنے کی یا اس کے عوض کچھ دینے کی شرط ہوگی یا نہیں؟ اگر واپس کرنے کی شرط کے ساتھ مال دیا جائے تو قرض کہلائے گا۔ اگر عوض دینے کی شرط ہو تو عقد کو دیکھتے ہوئے بیع، اجارہ یا ہبہ بشرط العوض قرار دیا جائے گا، اگر واپس کرنے کی شرط ہو نہ ہی عوض دینے کی بات طے کی جائے، بلکہ بلا عوض مال دیا جائے تو ہبہ ہے۔

اگر مال کا مالک بنا دینا مقصود نہ ہو تو اگر دینے سے مقصود مال کو حفاظت میں رکھنا ہو تو ودیعت ہے، اگر کچھ مدت کے لئے اس مال کے منافع مہیا کرنا مقصود ہو تو عاریت۔ اور اگر اس کے ساتھ کسی کاروبار و تجارت میں شریک ہونا مقصود ہو تو شرکت یا مضاربت قرار پائے گی۔

ان میں سے کسی بھی نوعیت کے مطابق مال دینا ہو تو دیتے وقت ہی اس کو مکمل طور پر واضح کر دینا چاہئے کہ یہ مال بطور ہبہ دے رہا ہوں یا شرکت و قرض کے طور پر، کئی بار نوعیت واضح نہ کرنے کی وجہ سے نوبت نزاع تک پہنچ جاتی ہے جس سے فریقین گناہ گار ہوں گے، البتہ اگر کہیں معاملہ کی نوعیت واضح نہ کی جائے

تو اگر فریقین کسی ایک نوعیت پر متفق ہو جائیں تو اسی کا اعتبار کیا جائے گا ورنہ تو قرآن کے مطابق کسی ایک نوعیت کو ترجیح دی جائیگی، لہذا اگر زبانی طور پر کچھ طے نہ پایا تو اگر غالب اور تسلی بخش قرآن سے کسی ایک نوعیت کا غالب گمان ہو جائے تو اسی کو راجح سمجھا جائے گا اور اگر اس سے بھی بات نہ بنے تو جو نوعیت اخف و اسہل ہو اسی کو راجح سمجھا جائے گا جیسا کہ ضابطہ نمبر دوم میں ذکر کیا جائے گا انشاء اللہ۔

### ضابطہ نمبر: ۲

**عمل مہیا کرنے کی مختلف صورتیں اور اس کا ضابطہ**

کسی کے ساتھ عمل کرنے کی بھی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں:

الف: محض تبرع و تعاون کے لئے کام کرنا۔

ب: اجرت کے بدلے کام کرنا۔

ج: کاروبار وغیرہ سے حاصل ہونے والے نفع میں شریک ہونے کے طور پر محنت کرنا۔

اب اگر کام کرتے ہوئے ان میں سے کوئی ایک حیثیت واضح کر دی جائے تو اسی کے مطابق احکام جاری ہوں گے، اگر کوئی ایک حیثیت بھی واضح نہ ہو تو مختلف قرآن کی روشنی میں کسی ایک پہلو کو ترجیح دی جائے گی، اگر ایسے تسلی بخش قرآن نہ ہوں یا قرآن موجود تو ہوں لیکن باہم متعارض ہوں، تو ایسی صورت میں اخف و اسہل کا اعتبار ہوگا۔

"اشباہ" میں ہے:

مَنْ تيقن الفعل وشك في القليل والكثير حمل على القليل؛ لأنه المتيقن لا أن تشتغل الذمة بالأصل فلا يبرأ إلا باليقين وهذا الاستثناء راجع إلى قاعدة الثالثة هي ما ثبت بيقين لا يرتفع إلا بيقين، والمراد به غالب الظن.<sup>۱</sup>

ترجمہ: جسے کسی کام کا یقین ہو لیکن کم زیادہ میں شک ہو (کہ میں نے زیادہ کیا ہے یا کم) تو کم کا اعتبار ہوگا، کیونکہ وہ یقینی ہے، مگر یہ اس وجہ سے نہیں کہ ذمہ اصلاً مشغول ہوتا ہے تو صرف یقین ہی کی بنیاد پر فارغ اور بری ہوگا، بلکہ یہ دوسرے قاعدہ پر مبنی ہے کہ: جو چیز یقیناً ثابت ہو جائے وہ یقین ہی سے ختم ہوگا اور یہاں یقین سے غالب گمان مراد ہے۔

"تأسيس النظر" میں ہے:

الأصل في المقادير التي لا يسوغ الاجتهاد في إثبات أصلها أن الدلالة متى انفقت في الأقل واضطربت في الزيادة يؤخذ بالأقل فيما وقع الشك في إثباته وبالأكثر فيما وقع الشك والإشتباه في إسقاطه.<sup>۲</sup>

ترجمہ: جن مقادیر کو ثابت کرنے میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ان کے بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ جب دلائل سے کم مقدار ثابت ہو اور زیادہ کے بارے میں دلائل میں

<sup>۱</sup> الأشباه والنظائر مع الغمز، الفن الأول، ج ۱ ص ۲۰۴.

<sup>۲</sup> تأسيس النظر، ص ۱۵۱. ونقله العلامة المفتي عميم الإحسان رحمه الله أيضا في قواعد الفقه له، ص ۸۱.

اضطراب ہو، تو کم ہی پر عمل کیا جائے گا۔ اگر شک و اشتباہ اسقاط میں ہو تو اکثر مقدار پر عمل کیا جائے گا۔

فقہاء کرام نے اس ضابطہ کے بنیاد پر متعدد مسائل متفرع فرمائیں ہیں، مثلاً "فتاویٰ ہندیہ" میں ہے:

ولو دفع إلى ابنه مالا فتصرف فيه الابن يكون للأب إلا إذا دلت دلالة على التملك، كذا في الملتقط.<sup>۱</sup>

ترجمہ: اگر باپ اپنے بیٹے کو مال دے دے اور وہ اس مال میں تصرف کرے، تو یہ باپ کا مال سمجھا جائے گا الا یہ کہ مالک بنانے پر کوئی دلیل موجود ہو۔

"شامی" میں ہے:

دفع دراهم إلى رجل وقال: أنفقها ففعل فهو قرض، ولو دفع إليه ثوبا، وقال: ألبسه نفسك، فهو هبة، والفرق مع أنه تملك فيهما أن التملك قد يكون بعوض، وهو أدنى من تملك المنفعة، وقد أمكن في الأول لأن قرض الدراهم يجوز، بخلاف الثانية، ولو الجية... رجل اشترى حليا ودفعه إلى امرأته واستعملته، ثم ماتت ثم اختلف الزوج وورثتها أنها هبة أو عارية فالقول قول الزوج مع اليمين أنه دفع ذلك إليها عارية؛ لأنه منكر للهبة منح.<sup>۲</sup>

ترجمہ: اگر کوئی دوسرے کو دراہم دیکر خرچ کرنے کا کہے، تو یہ دینے والے کی طرف سے قرض شمار ہوگا۔ اگر اسے کپڑا دے کر کہے کہ: اسے خود پہن لو تو ہبہ شمار ہوگا، دونوں میں تملیک کے باوجود فرق کی وجہ یہ ہے کہ بسا اوقات تملیک کسی عین چیز کے بدلے ہوتی ہے، اور عین چیز کے بدلے تملیک کسی منفعت کے بدلے تملیک

<sup>۱</sup> الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الہبۃ، ج ۴ ص ۳۹۲۔

<sup>۲</sup> الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الہبۃ، ج ۵ ص ۷۱۰۔

سے کم تر ہے، پہلی صورت میں یہ صورت ممکن ہے کیونکہ دراہم کا قرض جائز ہے اور عاریت درست نہیں۔ اگر کوئی شخص آدمی زیورات خرید کر اپنی بیوی کو دے دے اور وہ اسے استعمال کرے، پھر وہ فوت ہو جائے اور ہبہ یا عاریت ہونے میں شوہر اور بیوی کے ورثاء کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے تو اسے عاریت پر حمل کریں گے اور قسم کے ساتھ شوہر کا قول معتبر سمجھا جائے گا کیونکہ دراصل وہ ہبہ کا منکر ہے۔

### ضابطہ نمبر: ۳

#### نفع میں استحقاق کا ضابطہ

نفع کمانے یا دوسرے کے نفع میں شریک ہونے کی بنیاد یا تو مال ہو سکتا ہے یا عمل اور یا ضمان، پھر مال یا تو نقد اور عام فروخت ہونے والی اشیاء کی شکل میں ہو گا جیسا کہ شرکت و مضاربت کی صورت میں ہوتا ہے، یا زمین، تخم اور درخت کی صورت میں ہو گا جیسا کہ مزارعت و مساقات میں ہوتا ہے۔

عمل کے متعلق ضابطہ نمبر دو (۲) میں تفصیل موجود ہے اور ضمان مستقلاً نفع کمانے کی کوئی بنیاد نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ محض ضمان و کفالت لینے پر اجرت لینا شرعاً حرام ہے، البتہ کاروبار وغیرہ کے ضمن میں یہ نفع کمانے کی بنیاد بن سکتا ہے جیسا کہ شرکت الاعمال میں ہوتا ہے۔

صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں:

لأن الربح لا يستحق إلا بالمال أو بالعمل أو بالضمان فرب المال يستحقه بالمال، والمضارب يستحقه بالعمل، والأستاذ الذي يلقي العمل على التلميذ بالنصف بالضمان، ولا يستحق بما سواها؛ ألا

ترى أن من قال لغيره تصرف في مالك على أن لي ربحه لم يحز لعدم هذه المعاني. واستحقاق الربح في شركة الوجوه بالضمان على ما بينا.<sup>۱</sup>

ترجمہ: نفع کا استحقاق صرف مال، عمل یا ضمان ہی کی وجہ سے ہو سکتا ہے، چنانچہ رب المال مال کی وجہ سے، مضارب عمل کی وجہ سے اور وہ استاد جو اپنے شاگرد کو نصف اجرت پر کام دیتا ہے وہ ضمان کی وجہ سے نفع کا مستحق ہوتا ہے، اس کے علاوہ استحقاق کی کوئی اور وجہ نہیں، جیسا کہ کوئی آدمی کسی سے کہے کہ: اپنے مال کی کمائی سے مجھے دیتے رہنا اس کہنے کی وجہ سے وہ نفع کا مستحق نہیں، کیونکہ نفع میں استحقاق کی بنیاد نہیں۔ البتہ شرکت الوجوه میں نفع کا استحقاق ضمان کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ واضح ہوا۔

علامہ زبیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لأن الربح لا يستحق إلا بالعمل كالمضارب أو بالمال كرب المال أو بالضمان كالأستاذ الذي يتقبل العمل من الناس ويلقيه على التلميذ بأقل مما أخذه فيطيب له الفضل بالضمان ولا يستحق بغيرها.<sup>۲</sup>

ترجمہ: مضارب کام کرنے کی وجہ سے نفع کا مستحق ہوگا، رب المال مال کی وجہ سے اور وہ استاد جو لوگوں سے کام لے کر اپنے شاگرد کو کم اجرت پر دیتا ہے، وہ ضمان قبول کرنے کی وجہ سے زیادہ اجرت کا مستحق ہوگا، اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے مستحق نہ ہوگا۔

<sup>۱</sup> الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب الشركة، ج ۳ ص ۱۲.

<sup>۲</sup> تبين الحقائق، قبيل فصل في الشركة الفاسدة، ج ۳ ص ۳۲۲.

## ضابطہ نمبر: ۴

## اسباب ملک

کسی چیز کے مالک بننے کے لئے شریعت نے چند اسباب وضع فرمائے ہیں:  
الف: کبھی مختلف عقود کے ساتھ کسی چیز کی ملکیت حاصل ہوتی ہے مثلاً بیع،  
ہبہ، قرض۔

ب: بسا اوقات بطور نیابت مالک بنا جاتا ہے مثلاً وراثت اور وصیت کی صورت  
میں۔

ج: کبھی استیلاء و حیازت یعنی مباح چیزوں پر قبضہ کرنے سے ملکیت حاصل  
ہوتی ہے مثلاً: شکار پکڑنا، ارض موات کو آباد کرنا۔

د: اسی طرح اپنے مملو کہ چیز کی خود بخود پیداوار میں بھی اصل مالک کی ملکیت  
حاصل ہو جاتی ہے، مثلاً: مملو کہ جانور کا بچہ جننا، مملو کہ زمین میں درخت اگنا  
وغیرہ۔

ان جیسے اسباب کے بغیر کوئی شخص کسی چیز کا مالک نہیں بنتا، اور ان میں سے کسی  
بھی سبب سے مالک بننے کی صورت میں اس سبب سے متعلق شرعی قواعد و ضوابط کا  
لحاظ رکھنا ضروری ہے، مثلاً: اگر بیع کے ذریعہ کوئی شخص کسی چیز کا مالک بنا چاہتا ہے  
تو یہ ملکیت تب ہی جائز و مستحکم قرار پائے گی جبکہ اس میں بیع سے متعلق شرعی  
اصول و ضوابط کا لحاظ رکھا جائے ورنہ ملک خبیث ثابت ہوگی جس سے فائدہ اٹھانا  
شرعاً جائز نہیں، اسی طرح محض کسی کے نام کچھ خریدنے یا دکان و کاروبار کو کسی کے

نام کر دینے سے اس کی ملکیت دوسرے شخص کی طرف منتقل نہیں ہوگی، جب کہ ہبہ کے شرائط و ضوابط مثلاً قبضہ وغیرہ کی رعایت نہ رکھی جائے۔

"اشباہ" میں ہے:

وأسباب الملك ثلاثة مثبت للملك من أصله وهو الاستيلاء على

المباح. وناقل بالبيع والهبة ونحوهما، وخلافه كملك الوارث.<sup>۱</sup>

ترجمہ: ملکیت کے تین بنیادی اسباب ہیں: مباح چیز پر قبضہ کرنا، بیع، ہبہ وغیرہ کے ذریعے بھی ملکیت منتقل ہوتی ہے، تیسری صورت خلافت ہے جیسا کہ وارث کا مورث کے مال کا مالک ہونا۔

"در مختار" میں ہے:

اعلم أن أسباب الملك ثلاثة: ناقل كييع وهبة وخلافة كإرث

وأصالة، وهو الاستيلاء حقيقة بوضع اليد أو حكما بالتهيئة

كنصب الصيد لا لجفاف على المباح الخالي عن مالك.<sup>۲</sup>

ترجمہ: ملکیت کے تین اسباب ہیں، ایک انتقال: جیسا کہ خرید و فروخت، ہبہ وغیرہ، دوسرا خلافت: جیسا کہ میراث میں اور تیسرا اصالة (ابتداء سے ملکیت ثابت ہونا) یعنی کسی چیز پر حقیقتاً قبضہ کرنے مثلاً اس پر ہاتھ رکھنے یا حکماً قبضہ کرنے سے جیسے مباح شکار جو کسی کی ملکیت نہ ہو اس پر جال بچانے سے۔

<sup>۱</sup> الأشباه والنظائر لابن نجيم، كتاب الصيد والذبائح والأضحية، ص: ۲۴۵.

<sup>۲</sup> الدر المختار، كتاب الصيد، ج ۶ ص ۴۶۳. راجع لمزيد التفصيل والإستزادة: الفقه الإسلامي وأدلته، النظريات الفقهية، ج ۴ ص ۲۹۰۵.

## ضابطہ نمبر: ۵

## کسی عمل کے ساتھ منکرات کا شامل ہونا

کسی چیز میں مفسد و منکرات شامل ہونے کے مختلف درجات ہیں، اگر مباح، مندوب یا سنن غیر مقصودہ کے ساتھ منکرات و معاصی شامل ہو جائیں تو اگر ان منکرات سے بچتے ہوئے اصل عمل کو بجالانا ممکن ہو اور اس میں کوئی شرعی مفسدہ بھی نہ ہو، تب تو درست ہے، ورنہ تو اصل عمل ہی کو چھوڑ دیا جائے گا، چنانچہ فقہاء کرام نے بہت سے امور کو محض اس لئے مکروہ و ممنوع قرار دیا کہ اس کی وجہ سے لوگوں کے عقائد و نظریات خراب ہونے کا خدشہ ہے۔

اور اگر فرائض، واجبات یا سنن مقصودہ میں منکرات شامل ہو جائیں تو محض ان منکرات کی وجہ سے اصل حکم کو چھوڑنا درست نہیں، بلکہ حتی الامکان کوشش کرنی ضروری ہے کہ منکرات سے بچتے ہوئے اصل حکم پر عمل کیا جائے اور حکمت و بیدار مغزی کے ساتھ ان منکرات کو ختم کرنے کی کوشش کی جاتی رہے۔<sup>۱</sup>

یہ تفصیل تب ہے کہ جب خود اس مسنون یا مندوب عمل کی وجہ سے ہی منکرات پیدا ہو جاتے ہوں، یعنی یہ عمل منکرات پیدا ہونے کا محرک یا جالب ہو، اگر خود اس عمل کی وجہ سے منکر پیدا نہ ہو بلکہ اس کا منشا کچھ اور ہو تو اس کی وجہ سے مسنون عمل کو چھوڑنا کوئی لازم نہیں ہے، بلکہ مناسب یہ ہے کہ کم از کم اپنے آپ کو منکرات سے بچاتے ہوئے اصل حکم پر اس کی حیثیت و درجہ کے مطابق

۱ فقہ حنفی کے اصول و ضوابط، ص ۲۰۶

عمل کیا جائے، چنانچہ فقہاء کرام تحریر فرماتے ہیں کہ: "اگر کسی دعوت میں گانے بجانے وغیرہ کوئی منکر شامل ہو لیکن دسترخوان پر کوئی منکر نہ ہو تو اگر کسی کی شرکت کی وجہ سے عام لوگوں میں ان کاموں کی جرأت پیدا ہونے کا خدشہ نہ ہو وہ دعوت میں شریک ہو سکتے ہیں اور گانے بجانے کی وجہ سے دعوت قبول کرنے کی سنت کو چھوڑنا ضروری نہیں ہے۔"

علامہ موصلی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وإن لم يقدر فإن كان اللهو على المائدة لا يقعد؛ وإن لم يكن على المائدة، فإن كان مقتدى به لا يقعد، وإن لم يكن مقتدى به فلا بأس بالقعود. (وإن لم يقدر فإن كان اللهو على المائدة لا يقعد) لأن استماع اللهو حرام والإجابة سنة، والامتناع عن الحرام أولى من الإتيان بالسنة (وإن لم يكن على المائدة، فإن كان مقتدى به لا يقعد) لأن فيه شين الدين وفتح باب المعصية على المسلمين، وما روي عن أبي حنيفة أنه قال: ابتليت بهذا مرة فصبرت كان قبل أن يصير مقتدى به (وإن لم يكن مقتدى به فلا بأس بالقعود) وصار كتشيع الجنابة إذا كان معها نياحة لا يترك التشيع والصلاة عليها لما عندها من النياحة كذا هنا.<sup>۱</sup>

<sup>۱</sup> الاختيار لتعليل المختار، قبيل فصل في الكسوة، ج ۴ ص ۱۷۷.

ترجمہ: اگر لہو و لعب دسترخوان کی جگہ میں ہو اور منع کرنے کی قدرت نہ ہو تو بیٹھنا درست نہیں، اگر دسترخوان کی جگہ میں نہ ہو لیکن مقتدی (پیشوا) ہو پھر بھی نہیں بیٹھے گا اور اگر مقتدی نہ ہو تو بیٹھنے میں حرج نہیں۔

(اگر لہو و لعب دسترخوان کی جگہ میں ہو اور منع کرنے کی قدرت نہ ہو تو بیٹھنا درست نہیں) کیونکہ لہو و لعب کا سننا حرام اور دعوت قبول کرنا سنت ہے، سنت ادا کرنے کی بنسبت حرام سے بچنا بہتر ہے۔ (اور اگر دسترخوان کی جگہ میں نہ ہو لیکن مقتدی ہو تو بھی نہیں بیٹھے گا) کیونکہ اس میں دین کو عیب دار کرنا ہے اور مسلمانوں پر گناہوں کا دروازہ کھولنا ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے جو یہ نقل ہے کہ میں ایک بار اس میں مبتلا ہوا تھا تو وہ مقتدا ہونے سے پہلے کا واقعہ تھا (اگر مقتدی نہ ہو تو بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں) تو یہ جنازہ لے جانے کی طرح ہو گا جب اس کے ساتھ نوحہ ہو، تو نوحہ کی وجہ سے نماز جنازہ اور اسے لے جانا نہیں چھوڑا جاتا، اسی طرح یہاں بھی ہے۔

"بدائع" میں ہے:

وإن كان في غالب رأيه أنه لا يمكنه التغيير لا بأس بالإجابة لما ذكرنا أن إجابة الدعوة مسنونة ولا تترك السنة لمعصية توجد من الغير ألا ترى أنه لا يترك تشييع الجنازة وشهود المآتم وإن كان هناك معصية من النياحة وشق الجيوب ونحو ذلك؟ كذا ههنا.<sup>۱</sup>

ترجمہ: اگر غالب گمان یہ ہو کہ منکر کو ختم کرنا اس کے بس میں نہیں، تو دعوت قبول کرنے میں حرج نہیں ہے، کیونکہ دعوت قبول کرنا سنت ہے اور ایسی گناہ کی وجہ سے سنت نہیں چھوڑا جائے گا جو کسی اور کی وجہ سے ہو، جیسا کہ جنازہ لے جانا، فونگی کو حاضر

<sup>۱</sup> بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان، ج ۵ ص ۱۲۸۔

ہونا نوحہ اور گریبان پھاڑنے جیسے گناہوں کی وجہ سے نہیں چھوڑا جاتا، اسی طرح یہاں بھی ہو گا۔

**ضروریات و مصالح اور مفسد و منکرات شامل ہونے کے شرعی حدود و قیود**  
 باقی رہا یہ سوال کہ اگر کسی مشروع عمل کے ساتھ کچھ مفسد و منکرات ضم ہو جائیں تو وہ کب اور کس حد تک ممنوع قرار دیا جائے گا؟ اسی طرح اگر کسی ممنوع کام کے ساتھ کچھ مصالح یا ضروریات وابستہ ہو جائیں تو کہاں تک اس کی گنجائش ہو سکتی ہے؟ تو اس کے بارے میں "فتاویٰ ہندیہ" میں "خزانۃ الفتاویٰ" سے ایک مناسب ضابطہ نقل فرمایا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ:

۱: اگر کوئی عمل اصلاً ممنوع ہو لیکن اس کے ساتھ کچھ شرعی مصالح یا ضروریات وابستہ ہو جائیں اور ان عوارض کی وجہ سے فقہاء کرام کے ذکر کردہ مختلف ضوابط کی روشنی میں اس عمل کی اجازت دینی پڑ جائے تو ان عوارض کو دیکھا جائے گا، اگر عمومِ بلوی اور ضرورتِ عامہ کی حد تک یہ عوارض درپیش ہوں تو اس عمل کو مکروہ تنزیہی قرار دیا جائے گا اور اگر اس حد تک عارض نہ ہوں تو مکروہ تحریمی یعنی ناجائز رہے گا۔

۲: اگر کوئی عمل اصلاً مشروع ہے لیکن کچھ منکرات ساتھ شامل ہو گئیں ہوں، تو ان منکرات کو دیکھا جائے گا، اگر ان منکرات سے بچتے ہوئے اس عمل کو بجالانا غالب گمان کے مطابق مشکل ہو تو خود اس عمل کو ہی مکروہ تحریمی قرار دیا جائے گا اور اگر منکرات و مفسد اس حد تک شامل نہ ہوں تو مکروہ تنزیہی یعنی جائز لیکن نامناسب قرار دیا جائے گا۔

"فتاویٰ ہندیہ" میں ہے:

والأصل الفاصل بينهما أن ينظر إلى الأصل، فإن كان الأصل في حقه إثبات الحرمة وإنما سقطت الحرمة لعارض، ينظر إلى العارض إن كان مما تعم به البلوى وكانت الضرورة قائمة في حق العامة فهي كراهة تنزيه، وإن لم تبلغ الضرورة هذا المبلغ فهي كراهة تحريم فصار إلى الأصل، وعلى العكس إن كان الأصل الإباحة ينظر إلى العارض، فإن غلب على الظن وجود المحرم فالكراهة للتحريم وإلا فالكراهة للتنزيه، نظير الأول سؤر الهرة، ونظير الثاني لبس الأتان ولحومها، ونظير الثالث سؤر البقرة الجلالة وسباع الطير.<sup>۱</sup>

ترجمہ: ضابطہ یہ ہے کہ اگر اصلاً کوئی کام ناجائز ہو اور کسی عارض کی وجہ سے حرمت ختم ہو جائے، تو اس عارض کو دیکھا جائے گا، اگر عارض ایسا ہو جس میں تمام لوگ مبتلاء ہو اور عام لوگوں کے حق میں اس کی ضرورت باقی ہو تو وہ مکروہ تنزیہی شمار ہو گا اور اگر ضرورت اس حد تک نہ پہنچی ہو تو پھر کراہت تحریمی ہے۔ اگر کوئی کام اصلاً مباح ہو اور حرمت کسی عارض کی وجہ سے ہو تو اگر عارض کے موجود ہونے کا غالب گمان ہو تو کراہت تحریمی ہے ورنہ تنزیہی، اول کی مثال بلی کا جوٹا ہے، دوسرے کی مثال گدھے کا دودھ اور اس کے گوشت کا ہے اور تیسرے کی مثال شکاری پرندوں کا جوٹا، یا گندگی کھانے والی گائے وغیرہ کا جوٹا۔

<sup>۱</sup> الفتاویٰ الهندیة، کتاب الکراہیة، ج ۵ ص ۳۰۸.

## ضابطہ نمبر: ۶

## شرکتِ فاسدہ میں تقسیمِ نفع کا طریقہ کار

شرکتِ فاسدہ کی مختلف صورتیں ہیں اور ان کے احکام بھی مختلف ہیں، اگر کہیں مال اور عمل دونوں میں شرکت ہو اور پھر کسی وجہ سے شرکتِ فاسدہ ہو جائے تو فسادِ عقد کی وجہ سے شرکت کا معاہدہ قابلِ عمل نہیں ہو گا اور تقسیمِ نفع کا جو تناسب طے کیا تھا اس کا بھی اعتبار نہیں رہے گا، بلکہ جتنی آمدنی حاصل ہوئی، وہ دونوں فریق کے درمیان اپنے اپنے مال کے بقدر تقسیم ہوگی۔

درر وغرر میں ہے:

(الربح في الشركة الفاسدة على قدر المال وإن شرط الفضل) لأن الأصل أن الربح تابع للمال كالربح ولم يعدل عنه إلا عند صحة التسمية ولم تصح فيبطل شرط التفاضل لأن استحقاقه بالعقد فيكون فيه تقرير الفساد وهو واجب الدفع<sup>۱</sup>.

ترجمہ: شرکتِ فاسدہ میں نفع کی تقسیم بقدر مال کے ہو گا اگرچہ کسی ایک کے لئے زیادت کی شرط لگائی گئی ہو، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ نفع مال کے تابع ہے جیسا کہ حاصلات تابع ہیں اور اس قاعدہ کی مخالفت اس وقت درست ہے جب باہم رضامندی سے نفع کی مقدار شرعی طور پر مقرر ہو اور یہاں چونکہ صحیح نہیں لہذا تفاضل کی شرط باطل ہوگی، کیونکہ اگر اس کو عقد کی وجہ سے نفع کا مستحق ٹھہرایا جائے تو اس سے وہ فاسد عقد مزید مستحکم ہو گا حالانکہ فساد کو ختم کرنا واجب ہے۔

<sup>۱</sup> الدرر والغرر، کتاب الشركة، ج ۲ ص ۳۲۴.

اگر شرکت میں مال محض ایک جانب سے ہو یا مال تو دونوں کی طرف سے ہو لیکن عمل محض ایک جانب سے ہو، تو پہلی صورت میں جس کا مال ہوگا، پورا نفع بھی اسی کا شمار ہوگا اور دوسری صورت میں نفع مال کے برابر تقسیم ہوگا تاہم دونوں صورتوں میں عمل کرنے والے کو اپنے عمل کی اجرتِ مثل دی جائیگی، کیونکہ شرکت کے معاملہ کرنے سے واضح ہوا کہ وہ بلا عوض کام کرنے پر راضی نہیں اور یوں یہ عمل معدلاً استغلال کے حکم میں داخل ہو جائے گا جس میں اجرتِ مثل واجب ہوتی ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ نے اس کے کئی جزئیات ذکر فرمائے ہیں، مثلاً کتاب الاصل میں ہے:

وَإِذَا اشْتَرَكِ الرَّجُلَانِ وَلَا أَحَدُهُمَا بَغْلًا وَلَا آخِرَ بَعِيرٍ فَاشْتَرَكَا عَلَى أَنْ يُوَاجِرَا ذَلِكَ، فَمَا رَزَقَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ بَيْنَهُمَا نَصْفَانِ، فَأَجْرَاهُمَا جَمِيعًا بِأَجْرٍ مَعْلُومٍ فِي عَمَلٍ مَعْلُومٍ وَحَمْلٍ مَعْلُومٍ، فَإِنْ هَذَا فَاسِدٌ لَا يَجُوزُ، وَيُقَسَّمُ الْأَجْرُ عَلَى مِثْلِ أَجْرِ الْبَغْلِ وَمِثْلِ أَجْرِ الْبَعِيرِ.<sup>۱</sup>

ترجمہ: اگر ایک آدمی کے ساتھ بچر اور دوسرے کے ساتھ اونٹ ہو اور دونوں باہم یہ معاملہ کریں کہ دونوں جانور کرایہ پر دیں گے اور نفع باہم برابر تقسیم کریں گے تو یہ شرکت فاسد اور ناجائز ہے اور حاصل شدہ کرایہ دونوں کے درمیان بچر اور اونٹ کی اجرتِ مثل کے مطابق تقسیم کی جائے گی۔

<sup>۱</sup> الأصل للشيباني، كتاب الشركة، باب الشركة الفاسدة، ج ۴ ص ۱۱۶.

اس صورت میں چونکہ راس المال نقد رقم کی شکل میں نہیں ہے اس لئے شرکتِ فاسدہ ہے، لیکن اس کے باوجود اجرتِ مثل کو ضروری قرار دیا گیا، علامہ سرخسی رحمہ اللہ اس کی علت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

لأنه ابتغى عن منافعها عوضاً، ولم ينل ذلك لفساد العقد؛ فكان له

أجر مثله. وكذلك السفينة والبيت بمنزلة الدابة في ذلك.<sup>۱</sup>

ترجمہ: چونکہ یہاں منفعت کے بدلے عوض لینا ہے اور معاملہ فاسد ہونے کی وجہ شرعاً اسے نہیں ملتا، لہذا اس کے لئے اجرِ مثل ہوگا، کشتی اور گھر کا بھی حکم ہے۔ اب ان ضوابط کی روشنی میں خاندانی شراکت سے متعلق رائج مختلف صورتوں اور اس سے متعلقہ مختلف مسائل کا حکم بیان کیا جاتا ہے۔

\*\*\*\*\*

<sup>۱</sup> المبسوط للسرخسي، كتاب الشركة، باب الشركة الفاسدة، ج ۱۱ ص ۲۱۹.

## فصل اول

### مشترکہ خاندانی نظام اور اس کے فوائد و مفاسد

خاندان اور خاندانی نظام کی مختلف شکلیں رائج ہیں، بنیادی طور پر اس کی دو شکلیں زیادہ معروف ہیں:

الف: ایک تو مختصر خاندان ہے جو عموماً میاں بیوی اور ان کی اولاد تک محدود رہتا ہے اور کبھی والدین بھی ساتھ سکونت اختیار کرتے ہیں۔

ب: دوسرا مشترکہ خاندانی نظام ہے، پھر اس مشترکہ خاندانی نظام میں شرکاء کے درمیان اشتراک کن کن چیزوں میں ہو؟ صرف رہن سہن میں یا اس کے ساتھ کھانے پینے میں بھی سب مشترک ہوں، یا اس پر مستزاد یہ کہ تجارت اور کمائی بھی سب کی مشترک ہوں؟ اسی طرح خاندان کے کن کن افراد کو اس چار دیواری میں سمیٹا جائے؟ ان امور کے لحاظ سے مشترکہ خاندانی نظام کی مختلف اور متنوع قسمیں قرار پاتی ہیں جس کو ذکر کرنا یہاں مقصود نہیں۔

یہاں انفرادی خاندان سے مراد یہ ہے کہ رہن سہن اور کھانے پینے میں صرف وہی افراد شریک ہو کر رہیں جو شرعی ضابطہ کے مطابق آپس میں محارم کہلاتے ہیں اور مشترکہ خاندان سے مراد یہ ہے کہ محارم اور غیر محارم سب مل کر یکجا رہن سہن اور بود و باش اختیار کریں، برصغیر پاک و ہند کے اکثر دیہات اور قصبوں میں یہی مشترکہ خاندانی نظام رائج ہے خصوصاً قبائلی نظام میں پہلے کی طرح اب تک یہی نظام مقبول عام رہا ہے۔

عموماً یہ نظام خاندان کے افراد کو متحرک رکھنے، خاندان کے غریب و بے بس افراد کے ساتھ تعاون کرنے، کاروبار وغیرہ کے سلسلہ میں باہر رہنے والے افراد خانہ کے اہل و عیال کا خیال رکھنے اور مالی بچت کرنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے اور یہی اس کے فوائد گنوائے جاتے ہیں جو ایک حد تک درست ہے، بلکہ بعض علاقوں میں اس کے بغیر اپنی جان، مال اور عزت کا دفاع کرنا مشکل ہے، لیکن اب جب کہ حرص و ہوس، خود غرضی اور مفاد پرستی کے جذبات اپنے انتہائی عروج پر ہیں اور صلہ رحمی و معاشرتی اقدار کا جنازہ نکلنے کو ہے، یہ نظام عملی طور پر کئی معاشرتی، سماجی اور شرعی مشکلات و ناہمواریوں کا باعث بن جاتا ہے، جس میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

۱: پردہ دین اسلام کا ایک اہم اور ضروری حکم ہے، مشترکہ رہن سہن کی صورت میں اس کی پابندی کرنا کافی مشکل ہے، بسا اوقات اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہونے کے مواقع پیدا ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے بڑے مشکلات جنم لینا شروع ہو جاتے ہیں۔ دیور اور چچا زاد بھائیوں کے علاوہ دیگر شرکاء کے رشتہ داروں کا بھی آنا جانا ہوتا ہے اس کی وجہ سے بھی بعض اوقات بڑی الجھنیں شروع ہو جاتی ہیں۔

۲: متعدد بھائی، یا چچا زاد وغیرہ شرکاء جب شادیاں کرتے ہیں تو اس کے بعد عموماً حالات دگرگوں ہو جاتے ہیں، عورتوں کے درمیان جنگ و جدال اور لڑائی و تکرار کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جس میں جھوٹ، غیبت، تہمت، چغل خوری، کینہ و حسد، ایذا رسانی اور دوسرے کے دکھ درد پر خوش ہونے اور اس کے

علاوہ کئی منکرات و مفاسد کے بند دروازے چوپٹ کھل جاتے ہیں، اور یہ سلسلہ صرف ایک آدھ مرتبہ پھوٹ کر نہیں تھمتا، بلکہ بار بار "تو تو"، "میں میں" کرنے کے بعد اس کا اعادہ ہوتا رہتا ہے۔

عورتوں کے بلاوجہ ایک جگہ جمع ہونے کو شریعت ناپسند سمجھتی ہے اس لئے عورتوں کا باجماعت نماز پڑھنا بھی ممنوع قرار دیا گیا کیونکہ ان کے یکجا جمع ہونے میں عموماً شر اور فساد ہی غالب ہوتا ہے۔

۳: مرد اگرچہ اس لڑائی میں براہ راست شریک نہیں ہوتے لیکن بار بار سننے دیکھنے کے بعد ان میں بھی بغض و عداوت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں، اگر ایسا نہ بھی ہو تو بھی بار بار مشاہدہ کرتے رہنے سے اخلاقی گراؤٹ اور نفسیاتی طور پر تنزل کے شکار ہو جاتے ہیں۔

۴: صلہ رحمی، دین اسلام کا نہایت اہم اور ضروری حکم ہے، درست اور متوازن معاشرہ کے لئے اس کی حیثیت جزء لاینفک کی ہے، جبکہ ہمیشہ مشترکہ طور پر رہنے کی صورت میں عموماً آپس میں ناچاقیاں پیدا ہوتی رہتی ہے جو انجام کار اندرون خانہ اختلافات اور جھگڑوں کی شکل میں نمودار ہوتی ہیں اور یوں خاندان کا شیرازہ بکھرتا جاتا ہے اور بھائی جیسے قریب کے رشتہ داروں سے بھی دلی محبت و الفت اور صلہ رحمی کے جذبات کا جنازہ نکل جاتا ہے۔

نفسیات کا اصول ہے کہ "زُرْ غَبَا تَزِدُّ حَبًا" کبھی کبھار آپس میں مل بیٹھنے سے محبت بڑھتی ہے اور مستقلاً اکٹھے رہن سہن سے ایک دوسرے کی کمزوریاں سامنے آتی رہتی ہیں جس سے الفت و محبت کے جذبات رفتہ رفتہ ماند پڑ جاتے

ہیں، کمزوریاں سامنے نہ بھی ہوں تو بھی بار بار ایک چیز کے مشاہدہ کرتے رہنے سے انسانی طبیعت اکتا جاتی ہے جس کے بعد پہلے کی طرح الفت و محبت کا برقرار رہنا مشکل ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسے خاندان بہت کم دیکھنے میں آئے جو ایک عرصہ تک رہن سہن اور بود و باش میں اکٹھے رہی ہوں اور پھر محبت و بھائی چارگی کے جذبات کے ساتھ جدا ہو جائیں بلکہ جدائی عموماً ناچاقی اور ناگفتہ بہ اختلافات ہی کے نتیجے میں عمل میں آتی ہے۔

الہدیۃ العلامیۃ میں ہے:

کرہ بعض العلماء تجاور الأقرباء لآئنه یرفع المہیبة فیفضی۔ ذلک الی التّفاطع.<sup>۱</sup>

ترجمہ: "بعض علماء کرام نے رشتہ داروں کے ساتھ مستقلاً رہنا مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ اس سے وقار ختم ہو کر قطع تعلق کا ذریعہ بنتا ہے۔"

۵: مشترکہ خاندانی نظام میں اندرون خانہ اکثر چیزوں میں شرکتِ ملک ہوتی ہے، شرکتِ الملک میں کوئی شریک دوسرے کی طرف سے اصلاً وکیل نہیں ہوتا بلکہ اجنبی کی طرح ہوتا ہے، لہذا اس کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت و رضامندی کے بغیر اس کے حصہ کو استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں، جبکہ مشترکہ خاندانی نظام میں عموماً ان شرائط و ضوابط کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا، مثلاً اگر پورے خاندان میں کوئی ایک فرد بھی ایسا ہے جو صبر و برداشت کی صفت سے عاری ہو تو وہ کبھی اس پر راضی نہیں

<sup>۱</sup> الہدیۃ العلامیۃ، ص ۲۳۵

ہوگا کہ اس کی چیز یا مشترکہ چیز میں سے اس کا حصہ کوئی ایسا شریک استعمال کرے جس سے اس کو نفرت ہو۔

۶: مشترکہ رہن سہن میں اگرچہ مالی بچت کا فائدہ ہے لیکن شرعی احکام کے علم نہ ہونے اور مفاد پرستی کی وجہ سے یہ فائدہ بھی امکانات و احتمالات تک محدود رہ جاتا ہے، عموماً ہوتا یہ ہے کہ دوسروں کی چیزوں کو اتنی بے دردی اور اس قدر بے احتیاطی سے استعمال کیا جاتا ہے جس سے اس مالی بچت کی تلافی ہو جاتی ہے۔

۷: اجتماعی بالخصوص مالی معاملات میں صفائی کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا، جس سے بہت سی شرعی، معاشی اور معاشرتی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

۸: تقسیم ہونے اور جدا ہو کر رہنے کو والدین یا دیگر خاندانی بزرگوں کی نافرمانی سمجھا جاتا ہے اور جو کوئی شرعی احکام کی پابندی و اہتمام کے لئے جدا ہونے کا مطالبہ کرتا ہے اس کو ساتھ رہنے پر حتی الامکان مجبور کر دیا جاتا ہے، اگر اس کے باوجود جدا ہو جائے تو طرح طرح کی طعن و تشنیع کی جاتی ہے۔

۹: والدین اور گھر کے سربراہ کے لئے اپنے بال بچوں اور ان کی اولاد کے درمیان یکسانیت و اعتماد برقرار رکھنا کافی مشکل ہوتا ہے جس سے نفرتیں پھوٹ پڑتی ہیں۔

۱۰: مشترکہ رہنے کی صورت میں اپنی بیوی بچوں کی اصلاح و تربیت کرنا، ان کی طرف خاطر خواہ توجہ دینا عملی طور پر اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا ہے، اگر کوئی شریک ایسا کرنے کی جسارت کرتا ہے تو اس سے بہت سی ناہمواریاں اور بے

اعتدالیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ حضرات فقہائے کرام نے بھی فی الجملہ اس کا لحاظ رکھا ہے، چنانچہ "ہدایہ" میں ہے:

"وعلی الزوج أن يسكنها في دار مفردة ليس فيها أحد من أهله إلا أن تختار ذلك " لأن السكنى من كفايتها فتجب لها كالنفقة وقد أوجبه الله تعالى مقرونا بالنفقة وإذا أوجب حقها لیس له أن يشرك غيرها فيه لأنها تتضرر به فإنها لا تأمن على متاعها ويمنعها ذلك عن المعاشرة مع زوجها ومن الاستمتاع"

ترجمہ: شوہر پر لازم ہے کہ بیوی کو علیحدہ ایک ایسا گھر فراہم کرے جس میں اس کے اہل خانہ کا کوئی اور فرد نہ ہو، مگر یہ کہ بیوی اس پر خود راضی ہو جائے، کیوں کہ نان نفقہ کی طرح رہائش میں بھی بیوی کی حالت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے نفقہ کے ساتھ ملا کر واجب کیا ہے اور جب سکنی عورت کے لئے حق ٹھہرا تو شوہر کے لئے بیوی کے علاوہ کسی اور کو شریک کرنا درست نہیں، کیوں کہ اس میں بیوی کا نقصان ہے، کیوں کہ اسے اپنے سامان وغیرہ کے بارے میں اطمینان نہیں ہوتا، نیز اشتراک بیوی کو اس کے شوہر کے ساتھ رہنے اور فائدہ حاصل کرنے سے مانع ہے۔

### انفرادی اور مشترک خاندانی نظام کا شرعی حکم

اب اگر کوئی اتنا باہمت اور پُر عزم ہے کہ اس کو یقین ہے کہ وہ مشترک رہنے کی صورت میں بھی ان تمام مفاسد سے احتراز کر سکے گا اور صرف اپنی حد تک ہی

<sup>۱</sup>الهدایة فی شرح بدایة المبتدی، ج ۲ ص ۲۸۸

نہیں، بلکہ اپنے ساتھ تمام شرکاء کار کے بارے میں وہ مطمئن ہے تو اس کے لئے اس نظام میں رہنے کی گنجائش ہے لیکن ظاہر ہے کہ ہر کسی کو یہ مقام کہاں نصیب ہو سکتا ہے!

اس لئے عام حالات میں انفرادی خاندانی نظام میں رہنا ہی بہتر ہے بلکہ جس شخص کو مشترکہ طور پر رہنے کی صورت میں مندرجہ بالا منکرات و مفسدات سے بچنے اور بچانے کا یقین نہیں، اس کے لئے اسی انفرادی نظام میں رہنا ضروری ہے اور مجموعی لحاظ سے انفرادی خاندانی نظام ہی مزاج شریعت سے زیادہ قریب اور احکام شریعت سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔

علامہ موصلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ویکرہ الدخول فیہ لمن یخاف العجز عن القيام بہ، ولا بأس بہ لمن یثق من نفسه أداء فرضہ<sup>۱</sup>.

ترجمہ: جو بندہ قضاء کے حقوق کے بارے میں اپنے آپ سے مطمئن نہ ہو اسے یہ عہدہ قبول کرنا مکروہ ہے اور جسے اپنے آپ پر اعتماد ہو تو اسے قبول کرنے میں حرج نہیں۔  
یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ یہ حکم فقہاء کرام نے قاضی بننے کا لکھا ہے کہ اگر قضاء کی ذمہ داریاں ادا کرنے میں کوتاہی کا خدشہ ہو یا اپنے متعلق کسی ظلم و معصیت صادر ہونے کا خدشہ ہو تو ایسے شخص کے لئے قاضی

<sup>۱</sup> الاختیار لتعلیل المختار، کتاب آداب القاضی، ج ۲ ص ۸۴.

بننا مکروہ ہے، حالانکہ قضاء ایک مستقل ذمہ داری اور فریضہ ہے جب کہ مشترکہ طور پر رہنا کوئی فرض و واجب نہیں ہے۔

\*\*\*\*\*

## فصل دوم:

### مشترکہ خاندانی نظام میں کاروبار کی مختلف شکلیں

اولاد کا والد کے ساتھ کاروبار کرنا

اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، مثلاً:

۱: اگر بیٹے نے والد کو کوئی سرمایہ بھی دیا تو جیسا کہ پہلے ضابطہ نمبر ۱ میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ مال دینے کی مختلف نوعیتیں ہیں، اگر قرض یا احسان کے طور پر دیا ہے تو اس مال کی وجہ سے کاروبار میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، البتہ قرض کی صورت میں جب چاہے، اپنے قرض کا مطالبہ کر سکتا ہے اور اگر شرکت کے طور پر مال دیا ہے تو شرکت کے احکام جاری ہوں گے، لہذا اگر فیصدی اعتبار سے حاصل ہونے والے نفع میں حصص بھی متعین ہوئے اور شرکت کے دیگر تمام شرائط کا بھی لحاظ کیا گیا تو طے شدہ معاہدہ کے مطابق حاصل ہونے والا نفع دونوں میں تقسیم ہوگا، ورنہ تو شرکت فاسدہ کہلائے گی جس کا حکم یہ ہے کہ نفع سرمایہ کے تناسب سے تقسیم ہوگا۔

۲: دوسری بڑی صورت یہ ہے کہ بیٹا والد کو مال کچھ نہیں دیتا صرف اس

کے ساتھ محنت کرتا رہتا ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ ذکر کردہ ضوابط کے مطابق اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی

ہیں، اگر تعاون، صلہ رحمی اور تبرع کے طور پر والد کے ساتھ کام کرتا رہا تو اس کے

عوض بیٹے کو نہ کاروبار میں کوئی حصہ ملے گا نہ ہی محض اس عمل کے بدلے اجرت اور معاوضہ کا مستحق ہوگا، البتہ والد کو چاہئے کہ کچھ نہ کچھ دیکر اس کو راضی کرے۔ اگر بیٹا والد کے ساتھ اجرت کے طور پر کام کرتا رہا تو جو کچھ اجرت ملے گی گئی تھی وہی لازم ہوگی، اگر ابتدا میں اجرت ملے نہیں ہوئی تو یہ اجارہ فاسدہ کہلائے گا جو کہ گناہ اور ناجائز ہے، اب اس کا حکم یہ ہے کہ بیٹا اس عمل کے بدلے کاروبار میں شریک تو نہیں ہوگا، البتہ اس کو اپنی اس محنت کے عوض اجرتِ مثل دی جائے گی یعنی یہ جتنی مدت اور جیسی محنت کرتا رہا، اگر اس جیسا آدمی اس علاقے میں اس جیسا کام کرتا تو جو کچھ اجرت اس کو ملتی، وہی اجرتِ مثل قرار پائے گی اور والد کی ذمہ داری ہے کہ بیٹے کے مطالبہ پر اس کو یہ اجرت حوالہ کر دے۔

### اولاد کے معاون یا اجیر ہونے کا ضابطہ

بیٹا باپ کے ساتھ کام کرنے کی صورت میں کہاں معین شمار ہوگا اور کہاں شریک یا اجیر قرار دیا جائے گا؟ اس کا اصل دار مدار بیٹے کے عمل کی نوعیت اور اس کی تکلیف پر ہے، اگر بیٹا تبرع و تعاون کے قصد سے کام کرتا رہے تو معین شمار ہوگا اور اگر عوض و اجرت کی خاطر محنت کرتا رہے تو اجیر یا شریک قرار دیا جائے گا، اگر کہیں عمل کی تکلیف میں دونوں فریق کا اختلاف ہو جائے تو ایسی صورت میں کچھ تسلی بخش قرآن سے بھی کسی ایک نوعیت کو متعین کیا جاسکتا ہے، نیز عرف و عادت بھی ایک اطمینان بخش قرینہ ہے بشرطیکہ عرف مطرد یعنی عام ہو اور شرعی ضوابط کے خلاف نہ ہو۔

جامع الفصولین میں ہے:

بعث إلى امرأته شيئاً فقالت هو هدية وقال هو من المهر صدق إلا فيما يؤكل تصدق هي لا هو وهذا لأنه محتمل ولم يشهد لها الظاهر فيصدق المملك لأنه أعرف فقول العالم أولى بأن يقبل من قول الجاهل إلا فيما يكذب عرفاً. "خ": القياس في الطعام أن يقبل قوله إلا أنه ترك للعرف.<sup>۱</sup>

ترجمہ: اگر شوہر اپنی بیوی کوئی چیز بھیج دے، بیوی کہے کہ یہ ہدیہ ہے اور شوہر اسے مہر قرار دے، تو اس کی تصدیق کی جائے گی مگر کھانے کی چیزوں میں بیوی کی بات معتبر ہوگی، کیونکہ اس (پہلی صورت) میں دونوں باتوں کا احتمال ہیں اور ظاہر اس (بیوی) کے لئے مؤید نہیں، تو مملک (مالک بنانے والا) کی تصدیق کی جائے گی، کیونکہ وہ دینے کی حیثیت سے زیادہ واقف ہے اور قبولیت میں عالم کا قول جاہل کے قول سے بہتر ہے مگر یہ کہ عرف اس کا کذب ہو۔ کھانے کی چیزوں میں بھی قیاس یہ ہے کہ شوہر کا قول قبول کیا جائے مگر عرف کی وجہ سے اس کی بات کا لحاظ نہ رکھا گیا۔

یہاں اختلاف کے وقت اصلاً شوہر کی بات کا اعتبار کیا گیا، کیونکہ اختلافی چیز اسی نے دی ہے لہذا وہ دینے کی نوعیت خوب جانتا ہے البتہ کھانے پینے کی چیزوں میں چونکہ عام عرف ہدیہ کے طور پر دینے کا ہے اس لئے اس عرف کو قرینہ بنا کر بیوی کی بات کا اعتبار کیا گیا۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے مزید تفصیل کے ساتھ اس باب کے جزئیات تحریر فرمائے، آپ فرماتے ہیں:

<sup>۱</sup> جامع الفصولین، الفصل الرابع والثلاثون في الأحكامات، ج ۲ ص ۱۱۷.

ومما تفرع على أن المعروف كالمشروط لو جهز الأب بنته جهازاً، ودفعه لها ثم ادعى أنها عارية، ولا بينة ففيه اختلاف؛ والفتوى أنه إن كان العرف مستمراً أن الأب يدفع ذلك الجهاز ملكاً لا عارية لم يقبل قوله، وإن كان العرف مشتركاً فالقول للأب كذا في شرح منظومة ابن وهبان. وقال قاضي خان: وعندني أن الأب إن كان من كرام الناس، وأشرفهم لم يقبل قوله، وإن كان من أوساط الناس كان القول قوله (انتهى). وفي الكبرى للخاصي أن القول للزوج بعد موتها، وعلى الأب البينة؛ لأن الظاهر شاهد للزوج كمن دفع ثوباً إلى قصار؛ ليقصره ولم يذكر الأجر فإنه يحمل على الإجارة بشهادة الظاهر (انتهى). وعلى كل قول فالمنظور إليه العرف؛ فالقول المفتى به نظر إلى عرف بلدهما، وقاضي خان نظر إلى حال الأب في العرف، وما في الكبرى نظر إلى مطلق العرف من أن الأب إنما يجهز ملكاً. ١

ترجمہ: المعروف كالمشروط قاعدہ پر جو مسائل متفرع ہے وہ یہ کہ مثلاً: باپ اپنی بیٹی کے لئے جہیز تیار کر کے اسے حوالہ کرے پھر دعویٰ کرے کہ یہ تو عاریت ہے اور اس کے پاس کوئی گواہ نہ ہو، تو اس میں اختلاف ہے اگر عام رواج یہ ہو کہ باپ اپنی بیٹی کو سامان بطور ملکیت دیتا ہے تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا اور اگر عرف دونوں میں مشترک ہو تو پھر باپ کا قول معتبر ہے، فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ: اگر باپ

١ الأشباه والنظائر لابن نجيم، القاعدة السادسة "العادة محكمة"، ص: ٨٥.

معز اور اشرف میں سے ہو تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا اور اگر متوسط درجہ کا ہو تو پھر اس کا قول قبول کیا جائے گا اور امام خاصی کی الکبریٰ نامی کتاب میں ہے کہ: بیوی کے موت کے بعد شوہر کا قول معتبر ہو گا اور باپ پر بینہ لازم ہے کیونکہ ظاہر حال شوہر کے لئے گواہ ہے، جیسے کوئی دھوبی کو اجرت ذکر کئے بغیر دھونے کے لئے کپڑا دے تو ظاہر حال کی وجہ سے یہ اجارہ قرار پائے گا۔ بہر حال عرف کی رعایت ضروری ہے، مفتی بہ قول کے مطابق شہر کے رسم و رواج کا لحاظ رکھا گیا ہے جب کہ قاضی خان نے عرف میں باپ کی حالت کو دیکھا ہے اور جو کبریٰ میں ذکر کیا گیا ہے اس میں مطلق عرف کا لحاظ رکھا گیا ہے کیونکہ عموماً باپ جہیز مالکانہ طور پر دیتا ہے۔

ان جزئیات سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے دوسرے کو کچھ مال دیا اور پھر اس کی نوعیت میں اختلاف ہو تو دینے والے کے قول کا اعتبار کیا جائے گا، البتہ اگر اس کا دعویٰ عام عرف و عادت کے خلاف ہو تو اس عرف کو قرینہ قرار دیکر دوسرے فریق کی بات معتبر ہوگی۔

### مال اور عمل میں فرق

یہ حکم تو مال دینے کا ہے، مال دینے اور عمل کرنے کے حکم میں فرق ہے کہ مال بذاتِ خود منقوّم ہے اور عمل خود منقوّم نہیں جب تک باقاعدہ کسی عقد کے ذریعے اس کو منقوّم نہ بنایا جائے، گویا کہ عمل میں اصل یہ ہے کہ وہ بلا عوض ہو، اس کے بدلے عوض لینے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے سے عوض کا ہونا طے کر دیا جائے، لہذا اگر بیٹا باپ کے ساتھ محنت کرتا رہے اور ابتدا میں کچھ طے نہ کرے کہ میں اپنی محنت کا معاوضہ لوں گا، تو ایسی صورت میں یہ عمل تبرّع ہی شمار ہو گا اور اس کے بدلے اجرت کا استحقاق پیدا نہیں ہو گا۔

البتہ جس طرح عام اشیاء میں مُعدّ للاستعمال اور غیر مُعدّ للاستعمال چیزوں کے استعمال میں فرق ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کی چیز اس کی اجازت کے بغیر ایک مدت تک استعمال کرتا رہے اور وہ چیز مُعدّ للاستعمال نہ ہو تو اس سابقہ مدت کے بدلے اس پر کوئی اجرت واجب نہیں ہوتی، اگر چیز مُعدّ للاستعمال ہو تو اجرتِ مثل واجب ہوگی، اسی طرح عمل کے متعلق بھی یہی تفصیل فقہائے کرام کے ذکر کردہ مختلف جزئیات سے مستفاد ہوتی ہے کہ: اگر عامل یا عمل ایسا ہو کہ وہ عام عرف میں مفت نہ کیا جاتا ہو بلکہ اجرت لے کر کیا جاتا ہے تو اجرت واجب ہوگی اگرچہ ابتداء میں طے نہ بھی ہو جائے۔

چنانچہ "در مختار" میں ہے:

وفي الأشباه: استعان برجل في السوق لبيع متاعه فطلب منه أجرا فالعبرة لعادتهم، وكذا لو أدخل رجلا في حانوته ليعمل له. وفي الدرر: دفع غلامه أو ابنه لحائك مدة كذا ليعلمه النسج وشرط عليه كل شهر كذا جاز، ولو لم يشترط فبعد التعليم طلب كل من المعلم والمولى أجرا من الآخر اعتبر عرف البلدة في ذلك العمل. وفيها استأجر دابة إلى موضع فجاوز بها إلى آخر ثم عاد إلى الأول

۱ اس سے مراد دکان و مکان وغیرہ وہ تمام اشیاء ہیں جن کو مالک غلہ اور آمدنی حاصل کرنے کے لئے تیار کر کے مختص کرے۔

فعطبت ضمن مطلقاً في الأصح كما في العارضة وهو قولهما وإليه

رجع الإمام كما في مجمع الفتاوى.<sup>۱</sup>

ترجمہ: ”اشباہ“ میں ہے کہ اگر کوئی بازار میں اپنا سامان دوسرے کے ذریعے فروخت کرے اور وہ اجرت کا مطالبہ کرے تو عرف کے مطابق فیصلہ ہوگا، اگر کوئی آدمی اپنے دکان میں کام کرنے کے لئے لائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ ”الدرر“ میں ہے کہ اپنا غلام یا بیٹا ایک معلوم مدت کے لئے جو لاپے کے حوالہ کرے تاکہ اسے پیشہ سکھائے، اس پر ہر مہینہ کے لئے معلوم اجرت کی شرط لگائی تو درست ہے، اور اگر شرط نہیں لگائی اور تعلیم دینے کے بعد مولیٰ یا معلم نے اجرت طلب کی، تو اس عمل کے متعلق اس شہر کے عرف کا اعتبار ہوگا اور اسی کتاب میں ذکر ہے کہ کسی نے ایک معلوم مقام تک حیوان کو اجرت پر لیا لیکن اس جگہ سے تجاوز کیا پھر اپنی پہلی جگہ کو واپس لے آیا اور ہلاک ہو گیا تو اصح قول کے مطابق ضامن ہوگا جیسا کہ عاریت میں یہ حکم ہے اور یہ صاحبین کا قول ہے، مجمع الفتاویٰ میں ہے کہ امام صاحب نے اس قول کی طرف رجوع کی ہے۔

ان تمام صورتوں میں اجرت واجب ہوگی یا نہیں؟ اس کا مدار عام عرف و عادت پر رکھا گیا کہ جہاں ایسی صورت پیش آئے اگر وہاں اجرت پر یہ مختلف کام کرنے کا عرف ہو تو اجرت واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ سرمایہ دینے اور محنت کرنے کے درمیان اس فرق کے علاوہ باقی دونوں کا حکم ایک ہے اور جو ضابطہ مال دینے کے متعلق تحریر کیا گیا وہی

<sup>۱</sup> الدر المختار مع حاشیة ابن عابدین، باب ما یجوز من الإجارة وما یکون خلافا

ضابطہ عمل و محنت کرنے میں بھی جاری ہو گا جبکہ عمل ایسا ہو کہ معدلاً استعمال کے قبیل سے ہو۔

### فتاویٰ خیر یہ وغیرہ کے جزئیات کا محمل

اولاد کے عمل کی حیثیت معلوم کرنے کے متعلق جو ضابطہ ابھی تحریر کیا گیا اس کا حاصل یہ ہوا کہ اگر پہلے سے عمل کرنے کی حیثیت باہمی اتفاق سے طے کی گئی یا باقاعدہ طے تو نہیں ہوئی لیکن بعد میں دونوں کسی ایک حیثیت پر متفق ہوں اور کوئی اختلاف پیش نہ آئے تو ایسی صورت میں اسی متفقہ حیثیت کا اعتبار ہو گا اور اسی کے مطابق اولاد کو اجیر یا معاون قرار دیا جائے گا، اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں اور پھر دونوں کا آپس میں اختلاف آجائے تو ایسی صورت میں عام عرف و عادت یا اس کے علاوہ دوسرے اطمینان بخش قرآن سے کسی ایک حیثیت کو متعین کیا جائے گا۔

انہی قرآن میں سے ایک یہ بھی ہے جو "فتاویٰ خیر یہ" وغیرہ کئی کتابوں میں مذکور ہے کہ اگر اولاد والد کے ساتھ اس کے کاروبار میں محنت کرتے رہیں اور یہ تین شرائط موجود ہوں تو سارا کاروبار والد کا شمار ہو گا اور اولاد کی حیثیت معاون و مددگار کی ہوگی، شرائط یہ ہیں:

۱: کاروبار میں بیٹے کا سرمایہ شامل نہ ہو۔

۲: دونوں کا کاروبار ایک ہی ہو۔

۳: بیٹا باپ کے عیال میں رہتا ہو یعنی باپ ہی اس کا نان و نفقہ وغیرہ اخراجات برداشت کرتا ہو۔

اگر یہ تینوں شرائط موجود ہوں تو بیٹوں کی حیثیت مُعین اور مددگار کی ہوگی اور ان کو اپنے عمل کے بدلے کوئی اجرت یا معاوضہ دینا لازم نہیں، اور اگر ان تینوں میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو مثلاً بیٹے بھی کاروبار میں اپنا ذاتی سرمایہ لگائیں، یا کوئی بیٹا باپ سے اپنا الگ کاروبار کرتا رہے، یا بیٹا باپ سے الگ رہتا ہو تو ان تینوں صورتوں میں بیٹوں کی حیثیت محض مُعین ہی کی نہیں ہوگی بلکہ ان کو اپنے اس محنت کا معاوضہ دیا جائے گا۔

چنانچہ فتاویٰ خیر یہ میں ہے:

سئل في ابن كبير ذي زوجة و عيال له كسب مستقل حصل بسببه

أموالا ومات هل هي لوالده خاصة أم تقسم بين ورثته؟

أجاب: هي للابن تقسم بين ورثته علي فرائض الله تعالي حيث كان له كسب مستقل بنفسه وأما قول علمائنا أب وابن يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء ثم اجتمع لهما مال يكون كله للاب اذا كان الابن في عيال أبيه فاذا عدم واحد منها لا يكون كسب الابن للاب.<sup>۱</sup>

ترجمہ: اگر بالغ بیٹا جو صاحب اولاد ہو اور اس کا اپنا مستقل کاروبار ہو جس کی وجہ سے اس نے مال کمایا ہو تو اگر وہ فوت ہو جائے تو یہ مال صرف والد کا ہو گا یا مرحوم کے ورثاء پر تقسیم کیا جائے گا؟ تو اگر بیٹے کا اپنا مستقل کام ہو تو یہ مال بیٹے کا شمار ہو گا اور اس کے ورثاء کے درمیان اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ: باپ بیٹا ایک ہی کام سے کماتے ہوں اور ان کے لئے کوئی اور چیز نہ ہو، پھر ان کے لئے مال جمع ہو جائے تو سب مال باپ کا ہو گا جب بیٹا باپ کے

<sup>۱</sup> الفتاویٰ الخیرية، کتاب الدعوی، ج ۲ ص ۶۵.

عیال میں ہو اور اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو بیٹے کی کمائی باپ کی نہ ہوگی۔

علامہ خیر الدین رملی رحمہ اللہ کی اس تحقیق کو علامہ شامی سمیت کئی متاخرین فقہاء کرام نے نقل فرمایا اور اسی کے مطابق کئی احکامات متفرع فرمائیں۔<sup>۱</sup> اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کہیں یہ شرائط مکمل طور پر موجود ہوں اور اس کے باوجود بیٹا ساہا سال محنت کرنے کے بعد جدائی کے وقت یہ دعویٰ کرے کہ میں تعاون کے لئے نہیں، بلکہ اجرت و معاوضہ کی خاطر یہ سب کچھ کرتا رہا تو کیا ان شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کا دعویٰ رد کر دیا جائے گا کہ جب شرائط موجود ہیں تو بیٹا بہر حال مُعین شمار ہو گا یا کسی صورت اس کی تصدیق بھی کی جاسکتی ہے؟ اسی طرح اگر کہیں یہ شرائط موجود نہ ہوں اور باپ دعویٰ کرے کہ بیٹا مُعاون کے طور پر کام کر رہا تھا تو اس کی تصدیق ہو سکتی ہے یا نہیں؟

تو فقہی اصول و ضوابط کو دیکھتے ہوئے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود یہ شرائط مقصود بالذات نہیں بلکہ اصل دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بیٹے کے عمل کی حیثیت کیا ہے؟ یہ شرائط اسی حیثیت متعین کرنے کے لئے مقرر فرمائی گئی کہ ان شرائط کے ہوتے ہوئے بیٹے عموماً باپ کے ساتھ تعاون کے لئے ہی کام کرتے ہیں اور جب یہ تمام یا ان میں سے بعض شرائط مفقود ہوں تو اس کے بغیر تعاون کرنے کا رواج نہیں، یعنی ان شرائط کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک مفید اور تسلی بخش

<sup>۱</sup> تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، کتاب الدعوی، ج ۲ ص ۲۱۸۔

قرینے کی سی ہے جس سے بیٹے کے عمل کی حیثیت متعین کی جاسکتی ہے اور یوں یہ جزئیات بھی سابقہ ضابطہ کے تحت داخل ہو جاتے ہیں۔

لہذا اگر کہیں ایسا عرف نہ ہو اور ان شرائط کے ہوتے ہوئے بھی تعاون کرنے کا رواج نہ ہو یا بعض شرائط کے مفقود ہونے کے باوجود معاوضہ پر کام کرنے کا عرف ہو اور یہ عرف و رواج بھی عام اور مطرد ہو تو وہاں دیگر قرآن کا اعتبار کرتے ہوئے عمل کی حیثیت متعین کی جاسکتی ہے۔

چنانچہ خود علامہ خیر الدین ربلی رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وأما قول علمائنا أب وابن يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء ثم اجتمع لهما مال يكون كله للأب إذا كان الابن في عياله فهو مشروط كما يعلم من عباراتهم بشرط منها اتحاد الصنعة وعدم مال سابق لهما وكون الابن في عياله فإنه إذا عدم واحد منها لا يكون كسب الابن للأب وانظر إلى ما عللوا به المسألة من قولهم؛ لأن الابن إذا كان في عياله الأب يكون معيناً له فيما يضع فمدار الحكم على ثبوت كونه معيناً له فيه فاعلم ذلك اهـ-<sup>۱</sup>

ترجمہ: فقہاء کا یہ کہنا کہ جب باپ بیٹا ایک ہی کام کریں اور ان کا پہلے سے کوئی سرمایہ نہ ہو پھر اسی محنت کی وجہ سے کچھ کمائی کریں تو وہ والد کا شمار ہوگا، جب بیٹا باپ کے عیال

<sup>۱</sup> الفتاویٰ الخیریة لنفع البریة، کتاب الدعوی، ج ۲ ص ۶۵. ونقله أيضا في تنقيح الفتاوى الحامدية، کتاب الدعوی، ج ۲ ص ۱۷.

میں ہو، مگر یہ بات مطلق نہیں بلکہ چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے: ۱: کام ایک ہو، ۲: ان کا پہلے سے کوئی مال نہ ہو، ۳: اور بیٹا باپ کے عیال میں ہو، اگر ان شرائط میں سے ایک شرط بھی نہ ہو تو بیٹے کی کمائی باپ کی نہ ہوگی، اس مسئلہ کی وجہ ان کے قول سے یہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ بیٹا جب باپ کے عیال میں ہو تو وہ اس کا مُعین شمار ہوتا ہے، پس حکم کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ وہ باپ کا ہاٹھ بٹانے والا ہے۔

### چھوٹے بھائیوں کا بڑے بھائی کے ساتھ مل کر شرکت کرنا

اس کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ کاروبار میں بھائیوں کی شرکت۔

۲۔ گھریلو مصارف و اخراجات میں شرکت، اس کی ضروری تفصیل مشترکہ خاندانی نظام کے ضمن میں ذکر ہو چکی، اس لئے دوبارہ دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر کاروبار میں شرکت کرنے کی بھی دو صورتیں ممکن ہیں: ایک تو یہ کہ کسی ایک بھائی نے اپنے ہی سرمایہ سے تجارت شروع کر دی اس کے بعد دیگر بھائیوں نے بھی ساتھ مل کر محنت کرنا شروع کیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ باپ نے اصل کاروبار شروع کیا اور اس کے انتقال ہو جانے کے بعد بھائیوں نے مل کر محنت کرنا شروع کیا۔

پہلی صورت کے حکم میں تو وہی تفصیل ہے جو باپ کے ساتھ کاروبار کرنے کی ہے کہ اگر دیگر بھائیوں نے تعاون، بھائی چارگی اور تبرع کے طور پر محنت کی ہے تو یہ ان کی طرف سے تبرع و احسان شمار ہوگا اور اس کے عوض ان کو کوئی

اجرت دینی لازم نہیں ہوگی، اور اگر اجرت و معاوضہ کے طور پر کام کرتے رہیں تو چونکہ اجرت پہلے سے طے نہیں ہوئی اس لئے ان کو اجرتِ مثل دی جائے گی جس کی تفصیل پہلے ذکر ہو چکی، اور اگر کہیں دونوں فریق کے درمیان اس بات میں اختلاف ہو جائے کہ عمل برائے تبرع و تعاون تھا یا معاوضہ و اجرت کے لئے؟ تو عام عرف و عادت وغیرہ قرائن سے کسی ایک پہلو کو ترجیح دی جائیگی، اگر کسی جگہ ایسی صورت میں تعاون کے طور پر کام کرنے کا معمول ہو تو تعاون شمار ہو گا اور اگر کہیں اجرت کے عوض محنت کرنے کا عام رواج ہو تو یہی حیثیت متعین ہوگی اور اجرتِ مثل دینی ضروری ہوگی۔

اگر کہیں چھوٹے بھائیوں کی طرف سے کاروبار میں کوئی سرمایہ شامل نہ ہو اور بڑے بھائی کے ساتھ مل کر ایک ہی کاروبار میں محنت کرتے رہیں اور یہ چھوٹے بھائی بڑے بھائی کے عیال میں بھی ہوں کہ نان و نفقہ وغیرہ مصارف وہی پوری کرتا ہو، تو ان تینوں باتوں کے ہوتے ہوئے عموماً رواج یہ ہے کہ چھوٹے بھائی بڑے کے ساتھ تعاون و امداد کے لئے کام کرتے ہیں، اس لئے اس عمل کے بدلے وہ اجرت کے مستحق نہیں ہوں گے، فتاویٰ انقرویہ وغیرہ کئی کتابوں میں بڑے بھائی کو باپ کی طرح قرار دیا گیا اور باپ کے ساتھ اولاد کے کام کرنے میں یہی تفصیل ہے جیسا کہ پہلے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جا چکا۔

### بھائیوں کا مرحوم والد کے ترکہ میں کاروبار کرنا

بھائیوں کے مشترکہ طور پر کاروبار کرنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ باپ نے اپنی زندگی میں کاروبار شروع کیا پھر اس کا انتقال ہوا اور بیٹوں نے مل کر

کاروبار کو ترقی دی، یا باپ نے ترکہ میں سرمایہ چھوڑا اور بیٹوں نے میراث تقسیم کئے بغیر اس سے کاروبار شروع کیا، اس کی مختلف صورتیں ممکن ہیں، یا تو سب ورثاء نے مل کر کام کیا ہو گا یا صرف بعض نے کام کیا ہو گا؟ پہلی صورت میں آپس میں زبانی طور پر شرکت کا معاملہ طے پایا ہو گا یا نہیں؟ اور دوسری صورت میں یعنی بعض ورثاء کے کام کرنے کی تقدیر پر، یا تو باقی تمام ورثاء نے اجازت دی ہوں گی یا محض بعض نے اجازت دی ہوگی یا کسی بھی وارث کی اجازت کے بغیر کاروبار کرنے والے ورثاء نے کام کرنا شروع کیا ہو گا؟ ان تمام صورتوں کا حکم مختلف ہے اس لئے ذیل میں تنقیح و تسہیل کی خاطر یہ تمام صورتیں درج کی جاتی ہیں اور پھر ان کے احکام ذکر کر دئے جاتے ہیں۔

۱: سب ورثاء نے باقاعدہ شرکت کا معاملہ کر کے کاروبار شروع کیا۔

۲: سب ورثاء نے کاروبار شروع کیا لیکن باقاعدہ شرکت کا معاملہ طے نہیں کیا گیا۔

۳: بعض ورثاء نے باقی تمام ورثاء کی اجازت سے کام کرنا شروع کیا۔

۴: بعض ورثاء نے کاروبار کرنا شروع کیا باقی ورثاء میں سے بعض کی طرف سے اجازت تھی اور بعض کی طرف سے نہیں۔

۵: بعض ورثاء نے باقی کسی بھی وارث کی اجازت کے بغیر کاروبار کرنا شروع

کیا۔

## پہلی صورت کا حکم

پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر شرکت کے تمام تر ضروری شرائط موجود ہوں کہ مثلاً سب ورثاء عاقل ہوں اور مشترکہ نقد سرمایہ سے کوئی جائز کاروبار شروع کیا اور سب شرکاء کے حصص بھی فیصدی اعتبار سے متعین ہوئے، تو یہ معاملہ شرکت قرار دیا جائے گا اور شرکت ہی کے احکام اس پر نافذ ہوں گے، لہذا معاملہ کرتے وقت تقسیم نفع کا جو کچھ تناسب طے کیا اسی کے مطابق نفع تقسیم ہوگا اور خدانخواستہ اگر نقصان ہو جائے تو وہ ہر ایک کے سرمایہ کے تناسب سے قرار پائے گا، اور اگر شرکت کی شرائط موجود نہ تھے تو شرکت فاسدہ کا حکم جاری ہوگا۔

## دوسری صورت کا حکم

دوسری صورت میں چونکہ شرکت کی شرائط کا لحاظ نہیں کیا گیا کہ مثلاً شرکت کے لئے آپس میں ایجاب و قبول کرتے، ایک دوسرے کا حصہ متعین کرتے وغیرہ، اس لئے یہ شرکت ملک کہلائے گی اور اسی کے احکام اس پر نافذ ہوں گے، ہمارے ہاں عموماً یہی صورت رائج ہے کہ بے جا شرم و حیاء یا غفلت کی وجہ سے کوئی معاہدہ طے نہیں کیا جاتا اور یوں ہی کام کرنا شروع کر دیتے ہیں پھر جب کاروبار ترقی کر جاتا ہے اور خاطر خواہ کمائی حاصل ہو جاتی ہے تو آپس میں نزاع و اختلافات کے دروازے چٹ کھل جاتے ہیں، یہ بڑی غلطی اور کوتاہی کی بات ہے جس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

يقع كثيرا في الفلاحين ونحوهم أن أحدهم يموت فتقوم أولاده على تركته بلا قسمة ويعملون فيها من حرث وزراعة وبيع وشراء واستدانة ونحو ذلك، وتارة يكون كبيرهم هو الذي يتولى مهماتهم ويعملون عنده بأمره وكل ذلك على وجه الإطلاق والتفويض، لكن بلا تصريح بلفظ المفاوضة ولا بيان جميع مقتضياتها مع كون التركة أغلبها أو كلها عروض لا تصح فيها شركة العقد، ولا شك أن هذه ليست شركة مفاوضة، خلافا لما أفتى به في زماننا من لا خبرة له بل هي شركة ملك كما حررته في تنقيح الحامدية. ۱

ترجمہ: بہت سے کسانوں وغیرہ میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ جب ان میں سے کوئی فوت ہو جائے، تو ان کی اولاد بغیر تقسیم کے ان کے ترکہ کے نگران بن جاتے ہیں اور اس میں مختلف تصرفات، زراعت، تجارت اور قرض وغیرہ کرتے ہیں اور کبھی کبھار بڑا بھائی وغیرہ تمام کاموں کی ذمہ داری لیتا ہے باقی اس کے ساتھ اس کے حکم پر کام کرتے ہیں اور یہ سب بغیر کی معاہدہ کے ہوتا ہے، لیکن اس میں لفظ مفاوضہ اور اس کے تمام مقتضیات کا بیان نہیں ہوتا، ترکہ میں اکثر یا کل مال عروض ہوتا ہے جس میں شرکت عقد درست ہی نہیں، لہذا یہ شرکت مفاوضہ تو نہیں، اگرچہ ہمارے زمانے کے بعض غیر تجربہ کار لوگوں نے اس کے بارے میں فتویٰ دیا ہیں بلکہ یہ شرکت ملک ہے جیسا کہ تنقيح الحامدية میں اس کی تفصیل کی ہے۔

۱ رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الشركة، ج ۴ ص ۳۰۷. وکذا فی الفتاوی الکاملية، کتاب الشركة، ص: ۴۹۰.

## تیسری صورت کا حکم

اس میں اولاً اجازت کی نوعیت کو دیکھا جائے گا، اگر اجازت اس بنیاد پر دی کہ پورا نفع صرف کاروبار کرنے والے افراد کا ہوگا اور ہمارا اصل سرمایہ محفوظ رکھا جائے گا، تو یہ قرض ہے یعنی گویا اجازت دینے والے نے اپنا حصہ کاروبار کرنے والے کو قرض کے طور پر دیا، اگر حاصل ہونے والا نفع سرمایہ کے تناسب سے طے ہو اور کاروبار کرنے کی ذمہ داری بلا معاوضہ بعض ورثاء پر ڈالی گئی تو عمل نہ کرنے والے ورثاء کے سرمایہ کی حد تک یہ معاملہ بضاعت کا قرار دیا جائے گا، ورنہ تو مضاربت کہلائے گا۔

پھر مضاربت قرار دینے کی صورت میں اگر اس کے شرائط و ضوابط کا لحاظ رکھا گیا تو معاملہ درست قرار دیا جائے گا اور معاہدہ کے مطابق کمائی تقسیم کی جائے گی، ورنہ تو مضاربت فاسدہ ہوگا جس کا حکم یہ ہے کہ پورا نفع و نقصان مالک کا شمار ہوگا اور محنت کرنے والے کو اپنی محنت کی اجرت مثل دی جائی گی، کیونکہ عام طور پر اس طرح کاروبار کوئی بلا عوض نہیں کرتا اور خود مضاربت کی اجازت لینا ہی اس بات کا قرینہ ہے کہ کام کرنے والا مفت کام کرنے پر راضی نہیں، اس لئے بظاہر اجرت مثل لازم ہوگی۔

## چوتھی صورت کا حکم

اگر بعض ورثاء کی طرف سے کاروبار کرنے کی اجازت ہو اور بعض کی طرف سے نہ ہو، تو جن کی طرف سے اجازت ہے ان کے حصہ کا حکم تو وہی ہے جو ابھی صورت نمبر ۳ میں تحریر کیا گیا، اور جن ورثاء کی طرف سے اجازت نہیں ملی،

ان کے حصہ کا حکم غصب کا ہے، لہذا جن بھائیوں نے کاروبار کیا اور جنہوں نے اس کی اجازت دی، ان سب کے لئے اپنے اپنے حصہ کی حد تک نفع حلال ہے اور جن ورثاء کی اجازت و رضامندی کے بغیر کاروبار ہوا، ان کے سرمایہ کے تناسب سے نفع کام کرنے والوں کے لئے حلال نہیں، اب ایک تو اس اقدام پر توبہ و استغفار کرے اور پھر یہ جو نفع حلال نہیں، اس کو ثواب کی نیت کئے بغیر صدقہ کر دے یا جن کا سرمایہ ہے انہی کو اپنے اصل سرمایہ کے ساتھ ساتھ یہ نفع بھی دیدے۔

نیز اس صورت میں حاصل ہونے والے نفع میں جو کچھ خبثت پیدا ہوا، وہ چونکہ بعض شرکاء کی اجازت نہ دینے کی وجہ سے پیدا ہوا اس لئے تصدق کرنے کی بنسبت یہ نفع انہی شرکاء کو دیدینا بہتر ہے۔

کفالہ کے ایک مسئلہ کے ضمن میں "ہدایہ" کے متن میں ہے:  
 وأحب إلي أن يرده على الذي قضاها الكر ولا يجب عليه في  
 الحكم".<sup>۱</sup>

ترجمہ: جس نے گُر (ایک خاص پیمانہ) ادا کیا ہے اسے واپس کرنا بہتر ہے اگرچہ قضاء اس پر واجب نہیں۔

مبسوط میں ہے:

وإن أجرها الحاضر، وأخذ الآخر حصة نصيبه من ذلك تطيب  
 له، وحصة نصيب شركائه لا تطيب؛ لأنه بمنزلة الغاصب يؤاجر  
 في حصتهم فلا يطيب له الأجر ولكنه يتصدق به؛ لأن ملكه

<sup>۱</sup> الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب الكفالة، ج ۳ ص ۹۳.

حصل له بسبب خبیث، وبعطي ذلك شركاءه إن قدر عليهم؛  
 لأن تمكن الخبث كان لمراعاة حقهم فیرتفع بالرد علیهم.<sup>۱</sup>  
 ترجمہ: اگر حاضر وارث مشترکہ چیز کو غائب کی اجازت کے بغیر کرایہ پر دیدے نے  
 اجارہ پر دیا اور دوسروں (غائب) کے لیے اس سے اپنا حصہ لینا جائز ہے البتہ حاضر کے  
 لیے غائب شرکاء کا حصہ لینا درست نہیں، کیونکہ ان کا حصہ کرایہ پر دینے کی اسے  
 اجازت نہیں تھی اس صورت میں یہ غاصب ہے لہذا اس کے لئے اجرت لینا جائز نہیں  
 بلکہ ملک خبیث ہونے کی وجہ سے اسے صدقہ کرنا ضروری ہے، اگر شرکاء کو دینا ممکن  
 ہو تو انہیں دیدے، کیونکہ خبث ان کے حق کی وجہ سے تھا جو واپس کرنے سے ختم  
 ہوگا۔

### پانچویں صورت کا حکم

درج بالا تفصیل سے اس صورت کا حکم بھی واضح ہوا کہ تمام ورثاء کی  
 اجازت و رضامندی حاصل کئے بغیر مشترکہ ترکہ میں کاروبار کرنا جائز نہ تھا اور اس  
 سے جو نفع حاصل ہوا اس میں اپنے سرمایہ کے بقدر نفع تو حلال ہے باقی ورثاء کے  
 سرمایہ کا نفع ملک خبیث ہے جس کو صدقہ کرنا واجب ہے اگر انہی ورثاء کو دیدیا  
 جائے تو بھی درست ہے۔

المیسوط للسرخسی، کتاب الشروط، ج ۳۰ ص ۱۹۵

بیوی کا شوہر کے ساتھ کاروبار میں شریک ہونا

عورت کے کاروبار کرنے کا حکم

اصل مسئلہ کے حکم سمجھنے سے پہلے بطور تمہید یہ سمجھ لینا چاہئے کہ شریعتِ مطہرہ نے عورت کو جو تقدس و بزرگی کا مقام عطا فرمایا ہے، اسی کی ایک جھلک یہ بھی ہے کہ عورت پر اصلاً کمائی و کاروبار کرنے کا بوجھ نہیں ڈالا، چنانچہ شادی سے پہلے اس کا تمام تر نان و نفقہ کی ذمہ داری باپ پر رکھی اور شادی کے بعد شوہر کو اس بات کا پابند بنایا کہ وہ حیاء و عزت کے ساتھ بیوی کے لئے نان و نفقہ اور رہن سہن کا مناسب انتظام کرے، عورت کا از خود کمائی شرعاً بھی پسندیدہ نہیں اور عقلی و معاشرتی لحاظ سے بھی کئی خرابیوں اور متعدد مفسدات کا پیش خیمہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام کے دور اقتدار میں عورت کے کاروبار کرنے کا کوئی رواج نہیں تھا اس لئے معاشرتی امن و محبت کی فضاء عام تھی اور خاندانی نظام پورے عروج و ترقی اور سکون و اطمینان کے ساتھ رائج تھا پھر جب تہذیب مغرب نے اپنے غیر منصفانہ اور ناجائز مقاصد و اہداف کو حاصل کرنے کے لئے مساوات مرد و زن کا معصومانہ نعرہ لگایا اور لوگ اس کے دام تزویر میں پھنس گئے اور خواتین نے بھی مسیحا سمجھ کر اس کی آڑ میں پناہ لینے کی کوشش کرنا شروع کیا، تو اب وہی نظام اخلاقی گراؤٹ، نفسیاتی و معاشی نقصانات، دینی اور سماجی طور پر انحطاط و تنزل کی تصویر بے نظیر بن چکا ہے۔

بہر حال عام حالات میں عورت کا باقاعدہ کاروبار میں حصہ لینا اور عملی طور پر کاروبار کرنا شرعاً بالکل پسندیدہ نہیں ہے، اگر کہیں مجبوری پیش آئے اور کوئی نان

ونفقہ کا بوجھ برداشت کرنے والا نہ ہو تو ایسی صورت میں خواتین کے لئے بھی شرعی حدود کی رعایت رکھتے ہوئے جائز کاروبار کرنا درست ہے تاہم شرط یہ ہے کہ حیاء و پردہ کا بھرپور اہتمام کیا جائے اور غیر محرم کے ساتھ تنہائی و بے تکلفی سے مکمل طور پر اجتناب کیا جائے۔

### میاں بیوی کے مشترکہ کاروبار کا حکم

بیوی شوہر کے ساتھ کاروبار میں یا تو مال دیکر شریک ہوگی یا اس کے ساتھ عمل و محنت کر کے: دونوں صورتوں میں اگر تعاون و امداد کے طور پر شوہر کے ساتھ عمل کیا یا کچھ مال دیا جیسا کہ بعض علاقوں میں عموماً یہ رواج ہے، تو یہ اس کا شوہر کے ساتھ احسان و تبرع شمار ہوگا۔

اور اگر شرکت یا اجرت کے طور پر شوہر کو مال دیا یا اس کے ساتھ کاروبار میں کچھ محنت کرتی رہے تو اگر دونوں کے درمیان ابتدا میں شرکت یا اجارہ کا باقاعدہ عقد طے پایا تھا، تو اب اسی معاہدہ کے مطابق نفع تقسیم ہوگا ورنہ تو اگر دونوں نے مال ملا کر کاروبار شروع کیا اور نفع وغیرہ کا کوئی تعین نہیں ہوا تو شرکتِ فاسدہ ہوگی۔

اگر اجرت کے طور پر کام کرتی رہے اور اجرت طے نہ کی ہو تو اجارہ فاسدہ ہے۔ ان آخری دونوں صورتوں میں اس فساد کا گناہ ہوا جس پر استغفار کر لینا چاہئے اور دونوں صورتوں میں انہی عقودِ فاسدہ کے احکام جاری ہوں گے جو پہلے بار بار تفصیل سے ذکر ہو چکے۔

اگر عمل کی تکلیف میں میاں بیوی کا اختلاف ہو جائے کہ مثلاً بیوی دعویٰ کرے کہ میں اجرت کے لئے محنت کرتی رہی، جبکہ شوہر تعاون کرنے کا مدعی ہو تو اس صورت میں اسی ضابطہ سے کسی ایک جہت کو ترجیح دی جائے گی جو پہلے ذکر کیا جا چکا، اور اس کے مطابق کسی ایک پہلو کو ترجیح دینے کے مختلف قرائن میں سے ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ جہاں کہیں بیوی شوہر کے ساتھ اور اس کے عیال کے طور پر رہتی ہو اور کاروبار بھی ایک ہو اور بیوی کی طرف سے اس میں کوئی مال بھی شامل نہیں کیا گیا تو عموماً ایسی صورت میں بیوی شوہر کے ساتھ امداد و تعاون کے طور پر ہی محنت کرتی ہے، لہذا ان شرائط کے ہوتے ہوئے یہی سمجھا جائے گا کہ عورت کا عمل بطور تعاون تھا اور اس کے بدلے کوئی اجرت لازم نہیں ہوگی۔

اگر بیوی نے اپنے ذاتی مال سے کچھ کمایا مثلاً ٹوپیاں، قالین، کپڑوں کی سلائی کڑھائی، مختلف قسم کی طشتریاں وغیرہ بنا کر فروخت کرنے سے کچھ مال حاصل ہو تو یہ اسی کی ذاتی ملکیت شمار ہوگی، چاہے ابتداءً رقم میکہ کی طرف سے ملی ہو یا شوہر نے بطور تملیک کچھ دیا ہو، اسی طرح اگر کسی جائز ملازمت اختیار کرنے کے نتیجے میں بیوی نے کچھ مال حاصل کیا تو بھی وہ خاص اسی کی ملک قرار دی جائے گی اور شوہر کا اس میں کوئی استحقاق نہیں ہوگا۔

علامہ بزازى رحمہ اللہ فتاویٰ بزازىہ میں تحریر فرماتے ہیں:

هذا إذا دفعه وأمرها بالحفظ أو بالوضع في البيت فغزله صارت غاصبة وإن دفعه ولم يقل شيئاً فالغزل له لجريان العادة بأن الزوج إذا دفع لها قطناً تغزله لأجل الزوج فصار الغزل كخدمة البيت من

الخبز والطبخ وهذا إذا لم يكن الزوج بائع القطن كما مر.. وذكر شيخ الإسلام جلال الدين في أب وابن اكتسبا ولم يكن لهما مال فاجتمع لهما بالكسب أموال الكل للأب لأن الابن إذا كان في عياله فهو معين له في كل ما يكتسب ألا يرى أنه لو غرس شجرة فهي للأب وبه أفتى القاضي الإمام في زوجين سعيا وحصلا أموالا أنها له لأنها معينة له إلا إذا كان لها كسب على حدة فلها ذلك. ذكر ظهير الدين كان الزوج يدفع إليها ما يحتاج ويدفع إليها أحيانا دراهم تشتري بها قطنًا وتغزل فاشتريت وغزلت وباعت واشترت بها أمتعة فالأمتعة لها لأنها اشترت بلا توكيل الزوج ولو سهاها عند الشراء أو علم عادة الزوج أنه اشترى لها ودفع إليها يكون لها.. وفي الفتاوى امرأة معلمة يعينها الزوج أحيانا فالحاصل لها.. وفي النقاط السنبلة إذ التقطها فهو بينهما أنصافا والتفاوت ساقطة. ١

ترجمہ: اگر شوہر بیوی کو اون دے کر اس کی حفاظت کرنے یا کمرے میں رکھنے کا حکم دے جبکہ وہ اسے چرخہ کے ذریعے دھاگا نکالے، تو وہ غاصب شمار ہوگی۔ اگر دیتے وقت کچھ نہ کہا ہو پھر وہ ایسا کرے تو وہ تیار شدہ دھاگا شوہر کی ملکیت ہوگی، کیونکہ عام رواج کے مطابق شوہر جب اسے کاتنے کے لیے دیتا ہے تو وہ شوہر کا شمار ہوتا ہے جیسا کہ گھر کی خدمت روٹی اور کھانا پکانا وغیرہ۔ یہ تفصیل اس وقت ہے کہ شوہر روٹی بیچنے والا نہ

١ الفتاوى البرازية، الفصل الثالث عشر في تنازع الرجلين وفيه مسائل النتاج أيضا ج ٦ ص

ہو۔ شیخ الاسلام جلال الدین رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ باپ بیٹے نے کام شروع کیا اور ان کے پاس کوئی سرمایہ نہیں تھا، کمانے کی وجہ سے ان کے پاس مال جمع ہوا، تو سب مال باپ کا ہو گا، کیونکہ بیٹا جب باپ کے عیال میں ہو تو وہ کمانے میں باپ کا مددگار شمار ہوتا ہے جیسا کہ اگر وہ درخت لگائے تو وہ باپ کی ملکیت ہوگی، میاں بیوی جب وہ دونوں کوئی کام کرے اور ان کو کچھ مال حاصل ہو جائے تو وہ شوہر کا ہو گا کیونکہ بیوی اس کی مددگار شمار ہوتی ہے۔ البتہ اگر اس کا اپنا مستقل کوئی کاروبار ہو تو پھر یہ حکم نہیں۔ علامہ ظہیر الدین رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ شوہر بیوی کو اپنی ضرورت کی چیزیں دیا کرتا تھا اور کبھی کبھار دراہم دیتا تھا تا کہ وہ اس پر روٹی خرید کر دھاگہ بنائے، اس نے روٹی خرید کر کام کیا اور بیچ کر اس پر سامان خریدا، تو یہ سامان بیوی کی ملکیت ہوگی، کیونکہ اس نے شوہر کی وکالت کے بغیر یہ خریداری کی ہے، اگر خریدتے وقت اس کا نام لیا یا شوہر کی عادت معلوم تھی کہ وہ اس کے لئے خریدتا ہے اور اسے دے دیا تو پھر بیوی کی ملکیت ہوگی۔ فتاویٰ میں ہے ایک عورت معلمہ تھی، اس کا شوہر کبھی کبھار اس کی مدد کرتا تھا، تو اجرت اس عورت کی ہوگی۔

\*\*\*\*\*

## فصل سوم:

مشترکہ خاندانی نظام میں زکوٰۃ وغیرہ مختلف عبادت سے متعلق احکام

زکوٰۃ و قربانی وغیرہ کا مسئلہ

مشترکہ خاندانی نظام کی ایک صورت تو کاروبار و تجارت میں شریک ہونے کی ہے جس کا حکم گزشتہ اوراق میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہو چکا، اس سے متعلق دوسرا بڑا مسئلہ جو ہمارے ہاں بکثرت پیش آتا ہے وہ یہ ہے کہ کاروبار ایک ہو یا مختلف، لیکن سب بھائی اپنی کمائی جمع کر کے مشترکہ طور پر گھر کے مصارف و اخراجات برداشت کرتے رہتے ہیں، اگر والدین میں سے کوئی ایک زندہ ہو تو تمام بھائی اسی کے پاس اپنی جمع پونجی جمع کرتے ہیں اور اگر ان کا انتقال ہو جائے یا وہ کمزور و بے بس ہو جائیں تو افراد خانہ میں سے بڑے بھائی وغیرہ کسی کو سربراہ مقرر کر کے سب اسی کے پاس اپنی کمائی جمع کرتے رہتے ہیں، پھر والدین یا یہ سربراہ اس جمع پونجی سے پورے گھر کا نان و نفقہ، خوشی و غمی اور امراض و مصائب وغیرہ کے مصارف و اخراجات پوری کرتا رہتا ہے۔

بعض جگہوں پر یہ سلسلہ صرف بھائیوں تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ چچا زاد وغیرہ گھرانے ایک ہی کنبہ میں جمع ہو کر اسی طرح اکٹھے رہنے کو ترجیح دیتے ہیں اور اس طرح اپنی کمائی جمع کر کے زندگی گزر بسر کرتے رہتے ہیں جس سے معاملہ میں مزید پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔

اس تناظر میں یہ سوال بکثرت پیش آتا رہتا ہے کہ ایسے گھرانوں میں زکوٰۃ، قربانی، صدقہ فطر اور حج وغیرہ عبادت کس کس پر اور کب لازم ہوں

گی؟ اسی طرح مشترکہ کمائی سے جو کچھ ساز و سامان اور جائیداد و مکانات وغیرہ خریدے گئے، اس میں کس کے کتنے حصے ہوں گے؟ جدائی کے وقت جتنا سرمایہ، نقدی، کاروبار، ساز و سامان اور مکانات و جائیداد کی شکل میں موجود ہوں، اس میں کس کس کے اور کتنے حصے ہوں گے؟ یہاں اسی سے متعلق کچھ ضروری مسائل ذکر کرنا مقصود ہے۔

### مخلوط کمائی کی وجہ سے زکوٰۃ و قربانی کا حکم

اگر کسی بھائی/شریک کے پاس ذاتی مال موجود ہو اور وہ نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہو تو شرعی قواعد و ضوابط کے مطابق اس پر زکوٰۃ بھی لازم ہوگی اور قربانی و صدقہ الفطر بھی۔ اسی طرح اگر یہ ذاتی مال اتنا ہو جس سے حج واجب ہو جاتا ہے تو حج بھی واجب ہو جائے گا، اگر کسی کے پاس ذاتی کمائی اس حد تک موجود نہ ہو بلکہ جو کچھ کماتا ہو، وہ والدین یا گھر کے سربراہ کے پاس جمع کرتا ہو جیسا کہ مخلوط خاندانی نظام میں عموماً رائج ہے تو سربراہ کے پاس اس طرح جو کچھ مال و حال جمع ہو جائے، کیا اس میں تمام کمانے والوں کا حصہ اور ان کی ملکیت برقرار رہے گی یا نہیں؟

اس کا دار مدار اس بات پر ہے کہ یہ کمائی کرنے والے افراد سربراہ کو رقم کس بنیاد پر دیتے ہیں؟ آیا اس کو مالک بنا کر دیدینا مقصود ہے یا مشترکہ گھر کے مصارف و اخراجات نمٹانے کے لئے محض وکیل و نائب کی حیثیت سے دیتے ہیں؟ اگر تملیک کے طور پر اس کو مال دیتے ہوں تو دیتے ہی ان کی ملکیت زائل ہوگئی اور سربراہ قبض کرتے ہی اس کا مالک بنا، اور جب مالک وہ بنا تو ملکیت کے سارے

احکام بھی اسی پر عائد ہوں گے، لہذا زکوٰۃ، قربانی، صدقہ فطر اور حج کے احکام بھی اسی کی طرف متوجہ ہوں گے اور جدائی کے وقت تک اس طریقے سے جو کچھ مال و حال جمع ہو اوہ بھی اسی سربراہ کی ملکیت شمار ہوگی جس میں اصلاً کمانے والوں کا کوئی حصہ نہیں ہوگا البتہ صلہ رحمی، اور احسان شناسی کا تقاضا یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ دیکر اس کو راضی کر دیا جائے، اخلاقی، سماجی اور معاشرتی اصول کا بھی یہی مقصد ہے۔

اگر دینے سے مالک بنانا مقصود نہ تھا بلکہ محض نائب اور وکیل کی حیثیت سے مال دیا ہے تو اس صورت میں جس قدر مال سربراہ نے ابھی تک خرچ نہیں کیا، اس میں جس بھائی / شریک نے جس قدر مال دیا ہے اسی کے مطابق وہ حصہ دار ہوگا اور اس کے ملکیت کے احکام بھی اس پر عائد ہوں گے بشرطیکہ جو کچھ کمائی دی ہے وہ ان دینے والوں کی ذاتی ملکیت ہو، مشترکہ کاروبار کی آمدنی کے احکام پہلے تفصیل کے ساتھ ذکر ہو چکے ہیں۔

### تملیک و توکیل پہنچانے کا ضابطہ

رہا یہ سوال کہ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ مال بطور تملیک دیا ہے یا برائے توکیل؟ تو واضح رہے کہ تملیک و توکیل پہنچانے کے دو ذرائع ہیں:

۱: دیتے وقت کسی ایک پہلو کی تصریح کی جائے۔

۲: مختلف اطمینان بخش قرائن سے کسی ایک نوعیت کو ترجیح دی جائے۔

یہ تملیک چونکہ فقہی لحاظ سے ہبہ کے مترادف ہے لہذا تصریح کرنے سے مراد کوئی ایسا جملہ کہنا ہے جس سے ہبہ منعقد ہو جائے مثلاً یہ کہے کہ یہ رقم آپ کی ملک ہے، یہ مال آپ کا ہو گیا، یہ رقم آپ کی ہے اس سے جو چاہو کرو وغیرہ۔

یہ بھی واضح رہے کہ ہبہ کرنے کے لئے ہر وقت کوئی جملہ کہنا ہی ضروری نہیں بلکہ قرآن سے بھی ہبہ مکمل ہو جاتا ہے لہذا اگر کہیں زبانی طور پر کوئی ایسا جملہ استعمال نہ بھی ہو جائے لیکن اس بات کے قرآن موجود ہوں کہ دینے والا یہ مال بطور تملیک دے رہا ہے تو بھی اس کو ہبہ و تملیک ہی سمجھا جائے گا بشرطیکہ قرآن تسلی بخش ہوں جو کم از کم غالب گمان کا فائدہ دیں۔

چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے یہ جزئیہ نقل فرمایا ہے کہ:

وفي خزانة الفتاوى: إذا دفع لابنه مالا فتصرف فيه الابن يكون للاب إلا إذا دلت دلالة التمليك بيري<sup>۱</sup>.

ترجمہ: خزائنہ الفتاویٰ میں ہے: اگر کوئی اپنے بیٹے کو مال دے دے اور وہ اس میں تصرف کرے تو یہ باپ کا ہو گا مگر یہ کہ تملیک پر کوئی قرینہ موجود ہو۔

اس جزئیہ میں تملیک پر دلالت کرنے والے قرینے کو بھی ہبہ ہونے کے لئے کافی قرار دیا گیا، علامہ شامی رحمہ اللہ نے خود اس سے یہ ضابطہ اخذ فرمایا کہ ہبہ کے لئے ہر جگہ ایجاب و قبول وغیرہ الفاظ کہنا لازم نہیں، بلکہ قرآن سے بھی اس کا فیصلہ ہو سکتا ہے، آپ اس جزئیہ کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

قلت: فقد أفاد أن التلفظ بالإيجاب والقبول لا يشترط، بل تكفي القرائن الدالة على التمليك كمن دفع لفقير شيئاً وقبضه، ولم يتلفظ

<sup>۱</sup> ردالمختار علی لدر المختار، کتاب الہبۃ، ص ۶۸۷.

واحد منهما بشيء، وكذا يقع في الهداية ونحوها فاحفظه، ومثله ما يدفعه لزوجته أو غيرها.<sup>۱</sup>

ترجمہ: ہبہ درست ہونے کے لیے زبانی طور پر ایجاب و قبول کہنا کوئی ضروری نہیں بلکہ تملیک پر دلالت کرنے والے قرائن بھی کافی ہیں مثلاً: کوئی فقیر کو کچھ دیدے اور وہ اسے قبضہ کرے دونوں میں سے کوئی بھی زبان سے کوئی لفظ نہ کہے پھر بھی ہبہ منعقد ہوگا۔

لہذا اگر کسی جگہ یہ عام عرف ہو کہ اولاد اپنے جمع پونجی والدین یا بڑے بھائی کو بطور تملیک دیتے ہوں تو وہاں اگر کوئی زبانی تملیک ہونے کی تصریح نہ بھی کرے تو بھی اس عرف عام کا قرینہ کافی ہے اور اس کی بنیاد پر اس کو تملیک ہی قرار دیا جائے گا جبکہ دیتے وقت تو کیل کی صراحت نہ کرے۔

### ایک شریک کا دوسرے کی طرف سے زکوٰۃ و قربانی کرنے کا حکم

زکوٰۃ، قربانی اور صدقہ فطر وغیرہ ایسی عبادات ہیں جو ہر شخص پر انفرادی نوعیت کے مطابق لازم ہوتے ہیں، لہذا اگر کسی شخص پر شرعی ضابطہ کے مطابق ان میں سے کوئی عبادت واجب ہوئی تو اس کی ذمہ داری ہے کہ خود یہ عبادت سرانجام دے یا اپنی طرف سے کسی کو اس کام کے لئے وکیل بنا کر یہ کام کروائے، اگر اس کی اجازت / حکم کے بغیر کسی نے اس کی طرف سے زکوٰۃ دیدی یا قربانی کا جانور ذبح کیا، تو اس کا ذمہ فارغ نہیں ہوگا، لیکن دیگر بہت سے مسائل کی طرح اس باب میں بھی صراحت کے ساتھ کسی کو اس کام کے لئے وکیل مقرر کرنا لازم نہیں ہے، بلکہ

<sup>۱</sup> رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الہیۃ، ج ۵ ص ۶۸۸.

دلالتاً ایسا کرنا بھی کافی ہے، چنانچہ اگر کسی گھرانے میں یہ معمول ہو کہ گھر کا سربراہ گھر کے تمام صاحبِ نصاب افراد کی طرف سے قربانی کرتا ہے، تو یہاں ان افراد کا صراحت کے ساتھ سربراہ کو ہر بار قربانی کا وکیل بنانا ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر یوں ہی وہ تمام افراد کی طرف سے مستقل قربانی کرے تو ان کا ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

ولیس علی الرجل أن یضحی عن أولاده الکبار و امرأته إلا بإذنهم

وعن أبي یوسف رحمه الله تعالى أنه یجوز بغير أمرهم استحساناً.<sup>۱</sup>

ترجمہ: باپ پر اپنے بڑے بیٹوں اور بیوی کی طرف سے ان کی اجازت کے بغیر قربانی کرنا لازم نہیں اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ان کی اجازت کے بغیر بھی استحساناً جائز ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولو ضحی عن أولاده الکبار وزوجته لا یجوز إلا بإذنهم. وعن

الثانی أنه یجوز استحساناً بلا إذنهم بزازیة. قال فی الذخیرة: ولعله ذهب

إلی أن العادة إذا جرت من الأب فی کل سنة صار کالإذن منهم، فإن

کان علی هذا الوجه فما استحسنته أبو یوسف مستحسن.<sup>۲</sup>

ترجمہ: اگر کوئی اپنے بڑے بیٹوں اور بیوی کی طرف سے ان کی اجازت کے بغیر قربانی کرے، تو یہ جائز نہیں ہے۔ فتاویٰ بزازیہ میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ استحساناً جائز ہے، شاید وہ سمجھتا ہے کہ جب ہر سال باپ کی طرف سے عادت

<sup>۱</sup> (فتاویٰ قاضیخان، کتاب الأضحیة، ج ۳ ص ۲۰۵).

<sup>۲</sup> رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الأضحیة، ج ۶ ص ۳۱۵.

جاری ہے تو گویا کہ ان کی طرف سے دلالتِ اجازت موجود ہے، اگر یہ بات ہے تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی بات زیادہ مناسب ہے۔

البتہ زکوٰۃ کے متعلق فقہاء کرام نے یہ استثناء بھی ذکر فرمایا ہیں کہ اگر کسی کی اجازت کے بغیر اس کا مال زکوٰۃ کے طور پر دی جائے، تو جب تک وہ مال فقیر کے ہاتھ موجود ہے، اس وقت مالک اس میں زکوٰۃ کی نیت کر سکتا ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

رجل أدى زكاة غيره عن مال ذلك الغير فأجازه المالك فإن كان المال قائما في يد الفقير جاز، وإلا فلا كذا في السراجية<sup>۱</sup>.  
ترجمہ: اگر کسی نے دوسرے آدمی کے مال کی زکوٰۃ اس کی اجازت کے بغیر ادا کی، پھر مالک نے بھی اجازت دی تو اگر مال فقیر کے قبضہ میں موجود ہو، تو درست ہے ورنہ نہیں۔

\*\*\*\*\*

---

۱ الفتاوى الهندية، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسير الزكاة وصفتها وشرايطها، ج ۱ ص ۱۷۰.

## فصل چہارم:

مشترکہ چیزوں کو استعمال کرنے اور مشترکہ اخراجات سے متعلق مسائل

مشترکہ چیز کو استعمال کرنے کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام

مشترکہ خاندان میں اکثر چیزیں عموماً مشترکہ ہوا کرتی ہیں اور یہ شرکت بھی باقاعدہ کسی عقد کے نتیجے میں نہیں آتی، اس لئے یہ شرکت ملک ہے، شرکت ملک کا حکم یہ ہے کہ یہ وکالت کو متضمن نہیں ہوتی، اس لئے ایک شریک دوسرے شریک کے حصہ میں بالکل اجنبی کی طرح تصور ہوگا، کیونکہ کسی چیز کے استعمال کرنے کی شرعاً وہی صورتیں ہیں: یا تو وہ چیز اپنی ملکیت میں ہو یا کسی شرعی بنیاد پر اس کو استعمال کرنے کی ولایت و استحقاق حاصل ہو، جیسے وکالت، ولایت یا اباحت عامہ وغیرہ، اور یہاں یہ دونوں باتیں موجود نہیں۔

"بدائع الصنائع" میں ہے:

فأما شركة الأملاك فحكمها في النوعين جميعاً واحداً، وهو أن كل واحد من الشريكين كأنه أجنبي في نصيب صاحبه، لا يجوز له التصرف فيه بغير إذنه لأن المطلق للتصرف المملك أو الولاية ولا لكل واحد منهما في نصيب صاحبه ولاية بالوكالة أو القرابة؛ ولم يوجد شيء من ذلك وسواء كانت الشركة في العين أو الدين لما

قلنا.<sup>۱</sup>

<sup>۱</sup> بدائع الصنائع، کتاب الشَّرْكَة، ج ۶ ص ۶۵.

ترجمہ: شرکت الاملاک کی دونوں اقسام کا یکساں حکم ہے کہ شریکین میں سے ہر ایک اپنے شریک کے حصے میں اجنبی کے مانند ہے، لہذا اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں، کیونکہ تصرف ملک یا ولایت کی وجہ سے ہوتا ہے اور ان میں سے کسی ایک کو اپنے شریک کے حصے میں وکالت یا قرابت کی وجہ سے ولایت حاصل نہیں، چاہے یہ شرکت فی الدین ہو یا شرکت فی العین۔

"بحر" میں ہے:

قوله (: وکل أجنبي في قسط صاحبه) أي وکل واحد من الشريكين ممنوع من التصرف في نصيب صاحبه لغير الشريك إلا بإذنه لعدم تضمينها الوكالة<sup>۱</sup>.

ترجمہ: "شریکین میں سے ہر ایک کے لیے اپنے دوست کے حصے میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا منع ہے، کیونکہ شرکت کی اس قسم میں وکالت نہیں ہوتی۔ اس تناظر میں مشترک چیز استعمال کرنے کی مختلف صورتیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱: شریک کی طرف سے صراحۃً یا دلالتاً استعمال کرنے کی اجازت ہو تو اس کا استعمال جائز ہے۔

۲: اگر غائب شریک کی طرف سے صراحۃً یا دلالتاً ممانعت ہو تو دوسرے شریک کے لئے اس کا حصہ استعمال کرنا ناجائز ہے۔

<sup>۱</sup> البحر الرائق، کتاب الشركة، ج ۵ ص ۱۸۰۔



ہو، اسے استعمال کرنے کی دلالت اجازت تصور نہ ہوگی، چنانچہ مشترکہ کپڑا کسی ایک کو دوسرے کی غیر موجودگی میں پہننے کا اختیار نہیں۔

اس کی شرح میں ہے:

وهذا الرضاء هو من قبيل الرضاء دلالة<sup>۱</sup>.

ترجمہ: یہ دلالت رضامندی شمار ہوگی۔

۵: اگر مشترکہ چیز ایسی ہے جس کو تقسیم کیا جاسکتا ہے نہ ہی کوئی ایک فریق اپنا حصہ الگ طور سے استعمال کر سکتا ہے مثلاً: استری، کپڑے دھلائی کی مشین وغیرہ، ان جیسی چیزوں میں اگر کوئی ایک فریق دوسرے کو اپنا حصہ استعمال کرنے کی اجازت نہ دے تو ظاہر ہے کہ چیزوں ہی بیکار پڑی رہے گی اور دونوں کا مقصود حاصل نہیں ہوگا، اس لئے باہمی اتفاق کے ساتھ کوئی صلح صفائی کی صورت اختیار کرنی چاہئے کہ مثلاً کوئی ایک فریق اپنا حصہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دے، ورنہ تو ایک شریک کے مطالبہ قاضی، متفقہ جرگہ یا مصالحتی کمیٹی دونوں کو مہایات یعنی نوبت بنوبت استعمال کرنے پر بھی مجبور کر سکتے ہیں۔

"در مختار" میں ہے:

والأصح أن القاضي يهايم بينهما جبراً بطلب أحدهما<sup>۲</sup>.

ترجمہ: صحیح قول کے مطابق کسی ایک شریک کے مطالبہ پر بھی قاضی ان کے درمیان دوسرے کی رضامندی کے بغیر بھی باری مقرر کرے گا۔

<sup>۱</sup> درر الحکام فی شرح مجلة الأحکام ، شرح المادة المذكورة، ج ۳ ص ۳۶.

<sup>۲</sup> الدر المختار مع حاشية ابن عابدين كتاب القسمة، ج ۶ ص ۲۶۹.

"بنایہ" میں ہے:

قال في "شرح الأقطع": قال أصحابنا: إن المهايأة في المنافع المشتركة

عقد جائز واجب إذا طلب أحد الشركاء<sup>۱</sup>.

ترجمہ: "مشترکہ چیز کے منافع میں کسی ایک شریک کے مطالبہ پر قاضی کے ذمے شریکین کے درمیان باری مقرر کرنا واجب ہے۔"

### دوسرے شریک کی چیز استعمال کرنا

مشترکہ گھرانے میں وہ چیزیں جن میں خصوصی طور پر شرکت برقرار نہ ہو بلکہ کسی ایک فرد نے ذاتی کمائی سے خریدی، یا کسی دوست نے اس کو ہبہ کے طور پر کچھ دیا، یا مشترکہ ترکہ میں سے کچھ چیزوں کو تقسیم کیا گیا اور تمام شرکاء کے حصہ متعین کئے گئے وغیرہ، ان تمام صورتوں میں کوئی فرد دوسرے کی چیز استعمال نہیں کر سکتا، البتہ اگر اس کی طرف سے صراحۃً یا دلالتاً استعمال کرنے کی اجازت ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔

"مجلہ" میں ہے:

لا يجوز للحاضر أن يسكن في حصة الغائب في الدار المشتركة إذا

كانت حصصها مفرزة عن بعضها لكن إذا خيف خرابها من عدم

السكنى فالقاضي يؤجر هذه الحصة المفرزة ويحفظ أجرها

للغائب<sup>۲</sup>.

<sup>۱</sup> البناية شرح الهداية، كتاب القسمة، فصل في المهايأة، ج ۱ ص ۴۶۲.

<sup>۲</sup> مجلة الأحكام العدلية، رقم المادة: ۱۰۸۲ ص: ۲۰۸.

ترجمہ: جب شرکاء کے حصے جدا جدا ہوں، تو مشترکہ گھر میں حاضر کو غائب کے حصے میں سکونت اختیار کرنا جائز نہیں، لیکن اگر نہ رہنے کی وجہ سے دوسرے شریک کا حصہ ویران (خراب) ہونے کا خدشہ ہو، تو قاضی اس علیحدہ حصہ کو اجارہ پر دے کر کرایہ مالک کے لیے محفوظ رکھے۔

لہذا اگر کوئی شریک ایسی کسی چیز کو اپنے استعمال کے لئے مخصوص رکھنا چاہتا ہے خواہ اس کی صراحت کرے یا دیگر قرآن سے معلوم ہو جائے کہ دوسرے افراد کے استعمال کرنے پر وہ دل سے راضی نہیں ہوتا، تو ایسی چیزوں کو مالک کی صاف صریح اجازت کے بغیر استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، بلکہ اگر وہ صراحتاً استعمال کرنے کی اجازت بھی دیدے، لیکن استعمال کرنے والے کو معلوم ہے کہ محض دباؤ کی وجہ سے، شرماشرمی یا لوگوں کے طعن و تشنیع سے بچنے کی خاطر اجازت دے رہا ہے، تو بھی اس کو استعمال کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ کسی مسلمان کی دلی رضامندی کے بغیر اس کا مال استعمال کرنا شرعاً حلال نہیں ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ یہ دو روایات نقل فرمائی کہ:  
 عن أبي حميد الساعدي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لا يحل لامرئ أن يأخذ عصا أخيه بغير طيب نفسه، وذلك لشدة ما حرم الله عز وجل مال المسلم على المسلم"... عن أبي حرة الرقاشي،

عن عمه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه " ۱.

ترجمہ: "ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی نقل ہے ہے کہ کسی مسلمان کو دوسرے کی لاشی اس کی دلی رضامندی کے بغیر اٹھانا جائز نہیں، یہ اس سختی (اور احتیاط) کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان کا مال دوسرے مسلمان پر حرام کر دیا ہے" دوسری جگہ ارشاد ہے کہ: کسی مسلمان کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر لینا جائز نہیں۔"

### اجازت لینے میں ایک کوتاہی

یاد رہے کہ اجازت وہی معتبر ہے جو مالک کی طرف سے ہو اور دل سے ہو، لہذا مالک کے علاوہ دیگر افراد کی اجازت دینے کا اعتبار نہیں ہے، الّا یہ کہ مالک کی جانب سے کسی کو یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ اس کی چیز دوسرے کو بھی استعمال کرنے کے لئے دے سکے، مثلاً زید کی کوئی چیز ہے، اس کا بھائی عمر اس چیز کو استعمال کرنا چاہتا ہے تو خود زید کی اجازت یا رضامندی سے استعمال کرے، زید کی بیوی یا اس کے بیٹوں کی اجازت ضابطہ کے لحاظ سے کافی نہیں ہے، البتہ اگر زید نے اپنی بیوی بچوں کو اس حد تک خود مختار بنایا ہو کہ وہ اس کی چیز میں اس قسم کے تصرفات کر سکتے ہوں تو اس صورت میں بیوی بچوں کی اجازت بھی کافی ہے۔

۱ السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الغصب، باب من غصب لوحاً فأدخله في

اس سلسلہ میں بعض اوقات یہ کوتاہی ہوتی ہے کہ چیز ہوتی ایک کی ہے اور استعمال کرنے کی اجازت دوسرا دیتا ہے، مثلاً گھر کے سربراہ کی طرف سے ایک شخص کی چیز دوسرا استعمال کرتا ہے، یا مثلاً شوہر کی اجازت سے اس کی بیوی کے جہیز وغیرہ کا سامان مشترکہ طور پر استعمال کیا جاتا ہے، حالانکہ بسا اوقات وہ اس پر راضی نہیں ہوتی اور مالک کی رضامندی کے بغیر اس کی چیز استعمال کرنا جائز نہیں ہے لہذا اس باب میں احتیاط کی ضرورت ہے، ایک چار دیواری کے اندر رہنے کا مطلب یہ بالکل نہیں ہے کہ ہر شخص کے لئے دوسرے کی تمام چیزیں مباح ہیں بلکہ شرعی حدود و قیود کی پابندی کرنا لازم ہے۔

سنن بیہقی کی مندرجہ بالا روایت پھر ملاحظہ ہو:

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول الله صلى الله عليه

وسلم قال: " لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه " .<sup>۱</sup>

ترجمہ: ابو حرہ الرقاشی آپ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ: کسی مسلمان کا مال اس کی رضامندی کے بغیر حلال نہیں۔

**مشترکہ چیز کے ضائع کرنے پر تاوان کی صورتیں**

مخلوط خاندانی نظام میں سب یا اکثر چیزیں تمام شرکاء کے درمیان شرکت الملک کے طور پر شریک ہوتی ہیں اور شرکت الملک کا حکم پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اس میں کوئی شریک خود بخود دوسرے کا وکیل نہیں ہوتا، بلکہ مشترکہ چیز میں سے دوسرے

<sup>۱</sup> السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الغصب، باب من غصب لوحاً فأدخله في

شریک کے حصہ کی حیثیت و دیعت کی طرح ہے جس کو عام حالات میں استعمال کرنا جائز نہیں، اگر مالک کی طرف سے صراحتاً یا دلالتاً استعمال کرنے کی اجازت ہو تو پھر استعمال کرنا جائز ہے۔

استعمال کرنے کی اجازت مل جانے کے بعد اس چیز کی حیثیت عاریت کی ہو جائے گی اور عاریت کی چیز کو استعمال کرنے میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ مالک کی طرف سے جن قیود و شرائط کے ساتھ استعمال کرنے کی اجازت ملے، انہی شرائط کے تحت چیز استعمال کی جائے اگر اس کی خلاف ورزی کرے گا تو خیانت شمار ہوگی جو ناجائز بھی ہے اور ہلاکت یا نقصان کی صورت میں ضمان بھی لازم ہوگا، البتہ اگر وہ خود شرائط و قیود ناجائز ہوں یا غیر مفید ہو تو اس کا اعتبار نہیں۔

اگر مالک کی طرف سے کسی قید و بند کے بغیر چیز استعمال کرنے کی اجازت ملے تو بھی عام عادت و معمول کے مطابق استعمال کرنے کی اجازت ہے، عام معمول کے خلاف استعمال کرنا درست نہیں، اور اگر اس طرح استعمال کرنے کی وجہ سے وہ چیز ہلاک ہو جائے یا اس میں کوئی نقصان و خرابی پیدا ہو جائے تو استعمال کرنے والے پر اس کا ضمان لازم ہے، اگر مالک خوشدلی سے معاف کرے تو دوسری بات ہے، اس لئے مشترکہ چیزوں کے استعمال کرنے میں خاصی احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔

"تحفة الفقہاء" میں ہے:

ثم العارية قد تكون مطلقة وقد تكون مقيدة فالمطلقة أن يستعير شيئاً ولم يبين أنه يستعمله بنفسه أو غيره ولم يبين كيفية الاستعمال .  
وحكمها أنه ينزل منزلة المالك فكل ما ينتفع به المالك ينتفع به

المستعير من الركوب والحمل وله أن يركب غيره ولكن يحمل بقدر المعتاد لا زيادة عليه لأن الزيادة تكون إتلافاً. فأما إذا بين أنه يستعمل بنفسه فهذا على وجهين إن كان مما يتفاوت الناس في استعماله كالركوب واللبس فإنه يختص به ولا يجوز له أن يركب غيره وأن يلبس غيره، وإن كان شيئاً لا يتفاوت كسكنى الدار فله أن يعير غيره. وكذا إذا سمي وقتاً أو مكاناً فجاوز ذلك المكان أو زاد على الوقت يضمن لأن التخصيص مفيد.<sup>۱</sup>

ترجمہ: عاریت مطلق اور مقید دونوں طرح ہو سکتی ہے، مطلق کی صورت یہ ہے کہ کوئی چیز عاریتاً لے لیکن یہ بیان نہ کرے کہ وہ خود اسے استعمال کرے یا کسی اور دیدے نیز استعمال کرنے کی کیفیت بھی بیان نہ کرے، اس کا حکم یہ ہے کہ مالک کی طرح جو نفع اٹھانا چاہے اٹھا سکتا ہے جیسے سواری کرنا، بوجھ لانا۔ نیز عام معمول کے مطابق کسی دوسرے کو سواری کے لیے دے سکتا ہے، اس سے زیادہ کا اختیار نہیں، کیونکہ یہ زیادتی ہلاکت شمار ہوگی، اگر صرف ذاتی استعمال کے لیے دیدے تو پھر اس چیز کا استعمال یا ایک جیسا ہو گا یا مختلف جیسے سواری، لباس پہننا اس صورت میں صرف اسے اجازت ہوگی دوسرے استعمال کی اجازت نہیں۔ اگر استعمال ایک جیسا ہو جیسے گھر میں سکونت اختیار کرنا، تو کسی اور کو بھی دینے کی اجازت ہوگی، اگر وقت یا مکان کے ساتھ کی تعیین کی جائے اور اس وقت یا مکان سے تجاوز کی تو (ہلاک ہونے کی صورت میں) ضامن ہوگا، کیونکہ تخصیص فائدہ سے خالی نہیں (اور اس کا لحاظ ضروری ہے)۔

<sup>۱</sup> تحفة الفقهاء، کتاب العاریة، ج ۳ ص ۱۷۸.

امام سرخسی رحمہ اللہ کی "المبسوط" میں ہے:

وإذا جاوز المكان الذي سمي له وأخذ إلى مكان غير ذلك فعطبت فهو ضامن لها؛ لأنه استعملها بغير إذن صاحبها، فالتقييد من صاحبها هنا مفيد؛ لأن الضرر على الدابة يختلف بقرب الطريق وبعده، والسهولة والوعورة. وإن استعارها ليحمل كذا وكذا ثوبا هرويا فحمل عليها مثل ذلك مرويا أو فوهيا أو نرمقالم يضمن؛ لأن التقييد بالهروي غير مفيد، فإن سائر أجناس الثياب كالهروي في الضرر على الدابة. وكذلك في الوزنيات من الأدهان وغيرها كل تقييد يكون مفيدا فهو معتبر، وإذا خالف ذلك كان ضامنا، وما لا يكون مفيدا لا يعتبر.<sup>۱</sup>

ترجمہ: اگر مالک کی سواری کو مقرر شدہ مکان سے تجاوز کر کے کسی دوسری جگہ لے چلے، تو یہاں چونکہ مالک کی طرف سے تقييد (کی گئی جو) مفيد ہے تو (ہلاک ہونے کی صورت میں) مالک کی اجازت کے بغیر استعمال سے ضامن ہوگا، کیونکہ راستے کے قرب اور بعد، نرمی اور سختی کی وجہ سے حیوان پر مشقت بھی مختلف ہوتی ہے۔ اگر کسی حیوان کو عاریت پر لے کر کہ اس پر ایک معلوم مقدار ہروی کپڑا لادے، اسی طرح اس پر اس جیسا مروی، فوی یا نرم کپڑا لے گیا تو (ہلاک ہونے کی صورت میں) ضامن نہ ہوگا، کیونکہ ہروی کا قید لگانا غیر مفيد ہے، کپڑوں کی تمام قسمیں حیوان کو ضرر دینے

<sup>۱</sup> المبسوط للسرخسي، كتاب العارية، ج ۱ ص ۱۳۹.

میں ہروی کی طرح ہے، اسی طرح وزنیات میں تیل وغیرہ کا قید لگانا مفید اور معتبر ہوگا، اگر مخالفت کی تو ضامن ہوگا، اور جو قید مفید نہ ہو اس کا اعتبار نہیں۔

### مشترکہ مقاصد کی خاطر لئے ہوئے قرضہ جات کا حکم

مشترکہ گھر میں اگر کسی نے اپنے ذاتی مقاصد کے لئے قرضہ لیا تو قرض کی ادائیگی کا ذمہ دار بھی وہی ہوگا، اگر مشترکہ امور کے لئے کسی ایک شریک نے قرضہ لیا مثلاً: والدین میں سے کوئی ایک بیمار ہو اور فوری علاج کے لئے خطیر رقم درکار ہے جو گھر میں موجود نہیں، اس لئے ایک بھائی نے بڑھ کر اپنی وساطت سے کسی سے قرضہ لیا، یا مثلاً گھر میں مزید کچھ تعمیر کرنے کی ضرورت ہے اور رقم موجود نہ ہو اس کے لئے کوئی ایک بھائی قرضہ لے لے وغیرہ، اس طرح قرض لینے کا حکم یہ ہے کہ: اصلاً جس نے قرض لیا وہی مقروض شمار ہوگا اور قرض دہندہ اسی سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے گا، دوسرے شرکاء پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی، اگرچہ خود انہوں نے ہی قرض لینے کا مشورہ یا حکم دیا ہو، کیونکہ قرض لینے کے لئے کسی کو وکیل بنانا درست نہیں اور اس وکالت کا بھی اعتبار نہیں، لہذا قرض وصول کرنے والا وکیل ہی اصلاً قرض کا ضامن ہوگا، البتہ وکیل بنانے کے بجائے کسی کو پیغام رسا بنایا جائے اور اس طرح وہ قرضہ وصول کرے تو اس صورت میں پیغام پہنچانے والا ضامن نہیں ہوگا، بلکہ جس نے بھیجا ہے اور جس کے نام پر قرض لیا جائے وہی مقروض شمار ہوگا۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

الوكيل بالاستقراض من رجل معين إذا استقرض أن قال الوكيل  
للمقرض على وجه الرسالة أن فلانا يقول لك أقرضني كذا كان  
القرض للموكل وأن لم يقل الوكيل ذلك واستقرض كان القرض  
على الوكيل<sup>۱</sup>.

ترجمہ: اگر کسی معین آدمی سے قرض لینے کا وکیل اگر قرض لیتے وقت دائن سے بطور  
قاصد ایسا کہے کہ فلاں قرض مانگتا ہے تو یہ قرض موکل کے ذمے ہوگا اگر اس طرح  
نہیں کہا اور قرض لیا تو پھر یہ لینے والے کے ذمے ہوگا۔

### شرکاء پر مشترکہ قرضہ کے رجوع کرنے کا حکم

لہذا قرض دہندہ تو اسی سے اپنا قرض وصول کر سکتا ہے جس کو قرض دیا تھا، رہا  
یہ سوال کہ اگر کوئی ایک شریک اس طرح مشترکہ مقاصد کے لئے بھاری بھر  
قرض لے لے تو کیا صرف وہی اس کا ذمہ دار ہوگا یا دیگر شرکاء سے بھی کچھ وصول  
کر سکتا ہے؟ یہ سوال ہمارے اس زمانے میں مزید اہمیت کا حامل اس لئے ہے کہ  
آج کل علاج و معالجہ، خوشی و غمی اور ناگہانی مصائب و آفات کے اخراجات بسا  
اوقات اتنے زیادہ ہو جاتے ہیں کہ وہ اکیلے ایک فرد کی استطاعت سے باہر  
ہوتے ہیں اور اس کے لئے فوری رقم مہیا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، نیز احسان  
و تبرع کے جذبات بھی پہلے کے مقابلے میں بہت کم ہیں، اب اگر صرف قرض لینے  
والے فرد پر ہی اس خطیر رقم کو ادا کر دینے کی ذمہ داری ڈال دی جائے تو ایک طرف  
تو ایسا اقدام بہت سے مشکلات و معاشرتی ناہمواریوں کا ذریعہ بن جاتا ہے، ساتھ یہ

<sup>۱</sup> فناوی قاضیخان، باب الصرف، ج ۲ ص ۱۲۶۔

پہلو بھی قابل توجہ ہے کہ اگر ایسا فیصلہ کیا جائے تو آئندہ کوئی قرض لینے پر آمادہ نہیں ہو سکے گا۔

فقہی لحاظ سے اس کا دار مدار اس بات پر ہے کہ قرض کن مقاصد کے لئے لیا گیا؟ اور کہاں خرچ ہوا؟ اگر مشترکہ مقاصد کے لئے قرض لینے کی ضرورت پڑی تو دیکھنا یہ ہے کہ یہ مقاصد اضطراری درجہ کے تھے یا نہیں؟

اگر اضطراری درجہ کے مقاصد نہیں تھے اور قرض لینے والے نے دیگر شرکاء کار کے ذمہ داری اٹھانے سے پہلے ہی ان کی اجازت کے بغیر استعمال کئے، تو یہ اس کی طرف سے تبرع شمار ہوگا، جس کا دیگر شرکاء پر رجوع نہیں کر سکتا، اور اگر اضطراری درجہ کے اخراجات کے لئے قرضہ لیا ہے تو اگر اس میں دیگر شرکاء کو مجبور کیا جاسکتا تھا تو خرچہ کرنے سے پہلے ان کو مجبور کرنا ضروری ہے، ورنہ تو تبرع و احسان شمار ہوگا۔ اگر اخراجات بھی اضطراری نوعیت کے ہوں اور ان پر مجبور کرنا ممکن نہ تھا جس کی تفصیل پہلے گزر گئی تو اس میں رجوع کر سکتا ہے، پھر اگر قاضی اور خود اس شریک کی اجازت کے بغیر ایسا کیا گیا جیسا کہ عموماً ہوتا ہے، تو کئے گئے خرچہ کے تناسب سے نہیں، بلکہ اصل قیمت کے تناسب سے شریک پر رجوع کرے گا۔

شامی میں ہے:

والذي تحصل في هذا المحل أن الشريك إذا لم يضطر إلى العمارة مع شريكه بأن أمكنه القسمة فأنفق بلا إذنه فهو متبرع، وإن اضطر وكان الشريك يجبر على العمل معه فلا بد من إذنه أو أمر القاضي

فيرجع بما أنفق، وإلا فهو متبرع وإن اضطر وكان شريكه لا يجبر،

فإن أنفق بإذنه أو بأمر القاضي رجع بما أنفق أولاً فبالقيمة<sup>۱</sup>.

ترجمہ: اگر شریک مشترکہ گھر وغیرہ کے مرمت کے سلسلے میں لاپارہ ہو، یعنی باہم تقسیم کرنا ممکن ہو، اس کے باوجود وہ رقم خرچ کرے، تو یہ احسان شمار ہوگا (اور دوسرے ساتھی پر رجوع نہیں کرے گا) اگر لاپارہ تھا اور ساتھی کو مجبور کرنا ممکن تھا تو پھر خرچہ وصول کرنے کے لیے ساتھی کی اجازت یا قاضی کا حکم ضروری ہے، ورنہ احسان شمار ہوگا۔ اگر لاپارہ تھا تاہم شریک کو مجبور نہیں کر سکتا تھا تو اگر قاضی یا اس کی اجازت سے خرچ کرے، تو جو خرچہ کیا اس کا رجوع کرے بصورت دیگر قیمت کا۔

لہذا احتیاط کی بات یہی ہے کہ قرض لینے کے بعد خرچ کرنے سے پہلے تمام شرکاء کے سامنے معاملہ کو واضح کر دیا جائے اور جب وہ ذمہ داری اٹھانے پر راضی ہو جائیں تبھی اس رقم کو استعمال کیا جائے۔

مشترکہ مال میں سے خریداری کرنے کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام  
مشترکہ گھرانوں میں یہ صورت بھی بکثرت پیش آتی ہے کہ شرکاء والدین یا مثلاً بڑے بھائی کے پاس اپنی آمدنی جمع کرتے رہتے ہیں، سربراہ اس رقم سے گھریلو اخراجات بھی پوری کرتا رہتا ہے اور کچھ رقم بچت بچت کر کے جمع کرتا رہتا ہے، پھر

<sup>۱</sup>رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الشركة، ج ۴ ص ۲۹۸.

اس سے زمین، دکان و مکان وغیرہ خریدتا ہے، اب یہ زمین صرف خریدنے والے کی ہوگی یا دیگر شرکاء کا بھی اس میں حصہ ہوگا؟  
اس میں یہ تفصیل ہے کہ:

۱: اگر سربراہ کے پاس کمانے والوں نے یہ رقم بطور تملیک جمع کی تھی تو خریدی ہوئی ساری چیزیں اسی کی ملک ہوگی، اگر وہ ان اشیاء کو کسی خاص شریک کے نام کرنا چاہتا ہے یا کمانے والے بیٹوں کو منتقل کرنا چاہتا ہے تو ایسا کرنا شرعاً ہبہ ہے جس کے تام و مکمل ہونے کے لئے قبضہ وغیرہ تمام ضروری شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، ان شرائط کے بغیر اگر کسی کے نام منتقل کیا تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا اور اسی حالت میں انتقال ہو تو یہ ساری چیزیں باقاعدہ اس کے ترکہ میں شامل ہو کر تمام شرعی ورثاء میں اپنے اپنے مقررہ حصوں کے مطابق تقسیم ہوگی۔

۲: اگر کمانے والے افراد نے رقم تملیک کے طور پر نہیں دی بلکہ محض توکیل کے طور پر دی، تو اس کی دو صورتیں ہیں:

الف: اس نے اس رقم سے اپنے لئے کوئی چیز خریدی۔

ب: جنہوں نے رقم دی، انہی کے لئے خریدی۔

پہلی صورت میں ان پیسوں سے دینے والوں کی رضامندی کے بغیر کوئی چیز خریدنا شرعاً ناجائز تھا، لیکن خریداری چونکہ خود سبب ملک ہے اس لئے وہ مالک ہو جائے گا، اب امام کرخی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق تو یہ زمین اس کی ملک ہے اور وہ اس کو استعمال کر سکتا ہے البتہ کمانے والے شرکاء میں سے جس جس کا جس قدر روپیہ اس خریداری میں خرچ کیا وہ ان کو واپس کر دینا لازم ہے، کیونکہ ان کے

نزدیک جب تک حرام مال کو متعین کر کے اور پھر عملی طور پر اس کو دیکر خریداری نہ کی جائے تو خریدی ہوئی چیز میں خبث نہیں آتا اور ہمارے ہاں عموماً کوئی خریداری سے پہلے رقم متعین نہیں کرتا، جب کہ دیگر فقہاء کرام کے نزدیک اس کا حکم ملکِ خبیث کا ہے، علامہ کاسانی اور علامہ مرغینانی، ملا خسرو رحمہم اللہ وغیرہ کئی فقہاء کرام نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور فقہی لحاظ سے بھی یہی قول زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

صاحب ہدایہ امام کرخی رحمہ اللہ کا قول ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:  
وقال بعض مشايخنا رحمهم الله: لا يطيب له قبل أن يضمن، وكذا  
بعد الضمان بكل حال، وهو المختار لإطلاق الجواب في الجامعين  
والمبسوط.<sup>۱</sup>

ترجمہ: بعض مشائخ کے نزدیک ضمان سے پہلے اور بعد ہر حال میں اس کے لئے اس چیز کا استعمال جائز نہیں، جامع الصغیر وکبیر اور مبسوط میں مطلق بات ذکر کی گئی ہے، اس اطلاق کی وجہ سے یہ قول مختار ہے۔

"بدائع الصنائع" میں ہے:

وإطلاق الجواب في الجامعين والمضاربة دليل صحة هذا القول،  
ومن مشايخنا من اختار الفتوى في زماننا بقول الكرخي تيسيرا

<sup>۱</sup> الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب الغصب، ج ۴ ص ۲۹۹.

لأمر على الناس لاذحام الحرام، وجواب الكتب أقرب إلى التنزه  
والاحتياط، والله تعالى أعلم.<sup>۱</sup>

ترجمہ: جامعین اور مبسوط کی کتاب المضاربت میں امام محمدؒ کا یہ مسئلہ مطلق ذکر کرنا اس  
(عدم جواز والے) قول کے صحیح ہونے کی دلیل ہے، ہمارے بعض مشائخ نے اس  
زمانے میں حرام کی کثرت کی وجہ سے لوگوں کی آسانی کی خاطر امام کرخی رحمہ اللہ کے  
قول پر فتویٰ دیا ہیں، اور متون میں حرمت والا قول بنی بر احتیاط ہے۔

اس مسئلہ کی دوسری صورت یہ تھی کہ رقم جمع کرنے والوں کے لئے اس رقم  
سے کوئی چیز مثلاً زمین خریدے، اس میں اگر خریداری سے پہلے ان کی اجازت لی  
جائے، یا خریداری کرنے کے بعد وہ اس کو نافذ کریں تو زمین ان کے درمیان رقم  
کے تناسب سے مشترک ہوگی، اور اگر انہوں نے اجازت نہیں دی تو یہ بیع فضولی  
ہے، جو ان کمانے والے افراد کی اجازت و رضامندی پر موقوف ہے، ان کو اختیار  
ہے کہ خریداری کے اس عقد کو نافذ کریں یا ختم کریں۔

### مشترکہ اخراجات میں رجوع کرنے کا حکم

مشترکہ خاندانی نظام میں مشترکہ اخراجات کا مسئلہ بھی بکثرت باعث نزاع بن  
جاتا ہے، کوئی ایک شریک ہنگامی طور پر پورے گھرانے کی ضروریات و مصالح میں  
خرچ کرتا ہے پھر اس کے وصول کرنے میں اختلاف ہو جاتا ہے، اس سلسلہ میں  
ضابطہ یہ ہے کہ:

<sup>۱</sup> بدائع الصنائع، کتاب الغصب، ج ۷ ص ۱۵۵.

۱: کوئی شریک دوسرے شرکاء کے بتائے بغیر ایسا خرچہ کرے جو ضرورت و اضطرار کی نوعیت کا نہ ہو، تو وہ اس کی طرف سے تبرع و احسان شمار ہوگا اور اس میں دوسرے ورثاء پر رجوع کرنے کا حق نہیں۔

۲: اگر خرچہ اضطراری نوعیت کا ہے تو اگر دوسرے ورثاء کو اپنے ساتھ خرچہ میں شریک ہونے پر مجبور کر سکتا تھا مثلاً قاضی یا متفقہ جرگہ وغیرہ کی وساطت سے اس کو پابند بنایا جاسکتا ہو، تو ایسی صورت میں انہی ممکنہ ذرائع سے اس کو مجبور کرنا ضروری ہے، اگر مجبور کئے بغیر دوسرے شریک نے خرچہ برداشت کیا تو یہ بھی اس کی طرف سے تبرع و احسان شمار ہوگا، جس کے وصول کرنے کا اس کو استحقاق نہیں۔

۳: خرچہ اضطراری نوعیت کا ہو لیکن کوئی ایک شریک دوسرے کو اپنے ساتھ خرچہ برداشت کرنے پر مجبور نہ کر سکتا ہو، اس صورت میں اولاً تو جو شریک خرچہ برداشت کرنے سے اعراض کرتا ہو، اس کو راضی کر دیا جائے اور خرچہ میں شریک ہونے کے لئے اس کو تیار کیا جائے، اگر باہمی رضامندی سے ایسا ہو جائے تو بہت اچھا، ورنہ تو اس کے بغیر ہی ایک شریک خرچہ کر کے مشترکہ ضرورت کو پورا کرے اور پھر دوسرے شریک پر اس کے حصہ کی تک رجوع کرے۔

مثلاً: اگر مشترکہ ناقابل تقسیم دیوار ہے جس کی سردست مرمت ضروری ہے ورنہ گرنے کا خدشہ ہے اور ایک شریک خرچہ کرنے پر راضی نہیں تو ایسی صورت میں دوسرا شریک یہ خرچہ برداشت کرے اور حسب ضرورت مرمت کر کے دیوار

کو درست کرے، بعد میں دوسرے شریک سے اس کے حصہ کی حد تک قیمت وصول کرے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ مختلف جزئیات کی تنقیح و تہذیب کے بعد یہ ضابطہ تحریر فرماتے ہیں:

والذي تحصل في هذا المحل أن الشريك إذا لم يضطر إلى العمارة مع شريكه بأن أمكنه القسمة فأنفق بلا إذنه فهو متبرع، وإن اضطر وكان الشريك يجبر على العمل معه فلا بد من إذنه أو أمر القاضي فيرجع بها أنفق، وإلا فهو متبرع وإن اضطر وكان شريكه لا يجبر، فإن أنفق بإذنه أو بأمر القاضي رجع بها أنفق أو لا فبالقيمة<sup>۱</sup>.

ترجمہ: اگر شریک مشترکہ گھر وغیرہ کے مرمت کے سلسلے میں لاچار نہ ہو، یعنی باہم تقسیم کرنا ممکن ہو، اس کے باوجود وہ رقم خرچ کرے، تو یہ احسان شمار ہوگا (اور دوسرے ساتھی پر رجوع نہیں کرے گا) اگر لاچار تھا اور ساتھی کو مجبور کرنا ممکن تھا تو پھر خرچہ وصول کرنے کے لیے ساتھی کی اجازت یا قاضی کا حکم ضروری ہے، ورنہ احسان شمار ہوگا۔ اگر لاچار تھا تاہم شریک کو مجبور نہیں کر سکتا تھا تو اگر قاضی یا اس کی اجازت سے خرچ کرے، تو جو خرچہ کیا اس کا رجوع کرے بصورت دیگر قیمت کا۔

<sup>۱</sup> حاشیة ابن عابدین علی الدر المختار، کتاب الشركة، باب الشركة الفاسدة، ج ۴ ص ۳۳۴.

### کن کن مصارف میں شرکاء کو مجبور کیا جاسکتا ہے؟

رہا یہ سوال کہ ایک شریک دوسرے کو کہاں مشترکہ خرچے میں شریک ہونے پر مجبور کر سکتا ہے اور کہاں ایسا جبر نہیں کر سکتا؟ تو اس میں اصولی بات یہ ہے کہ:

۱: جو شخص شرعاً مجبور نہ ہو، اس کو اپنی کسی چیز کی اصلاح و درستگی کرنے اور اس کی خاطر اخراجات برداشت کرنے پر قضاءً مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

۲: اگر اس کے ساتھ کسی دوسرے شریک کا حق وابستہ ہو جائے اور اصلاح و درستگی نہ کرنے کی وجہ سے پوری چیز کے خراب ہونے یا اس کو شدید نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو لیکن اس کے باوجود کوئی ایک شریک اخراجات برداشت کرنے پر آمادہ نہ ہوتا ہو تو ایسی صورت میں بھی اس کو مجبور کرنے کے بجائے اس چیز کو تقسیم کر دیا جائے گا، تقسیم کرنے کے بعد دونوں کو اختیار ہے کہ اپنی چیز کے بقاء و تحفظ کا خیال رکھے یا یوں ہی ضائع ہونے دے۔

۳: لیکن اگر یہی صورت حال ہو اور مشترکہ چیز بھی ایسی ہو کہ ناقابل تقسیم ہو تو ایسی صورت میں انکار کرنے والے شریک کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ بقدر ضرورت مشترکہ خرچہ برداشت کرے۔

اس ضابطہ کی روشنی میں تین صورتیں ایسی ہیں جہاں شرکاء کو مجبور کیا جاسکتا ہے:

الف: وصی: یتیم بچوں کا نگران و سرپرست۔ وصی چونکہ یتیم کے مصالح و مفاد کے تحفظ کا ذمہ دار ہوتا ہے اس لئے اگر کوئی چیز مثلاً عمارت یتیم بچے اور

دوسرے شخص کے درمیان مشترک ہے اور عمارت کی مرمت کرنا ضروری ہو، اب دوسرا شریک تو مرمت کرنا چاہتا ہے لیکن وصی اعراض کرتا ہے، ایسی صورت میں وصی کو مجبور کیا جائے گا کیونکہ مرمت نہ کرنے میں یتیم کا واضح نقصان ہے اور وصی اپنے ذاتی معاملات میں اپنے سر تو نقصان برداشت کر سکتا ہے لیکن یتیم کے معاملات میں وہ اس کا مجاز نہیں۔

ب: وقف کا متولی: وصی کی طرح اوقاف کا متولی بھی متعلقہ وقف کے مصالح کے تحفظ کا پابند ہے لہذا جہاں کوئی چیز وقف کے ساتھ کسی کا مشترک ہو اور اس پر خرچہ کرنے کی ضرورت ہو، نہ کرنے میں وقف کا خسارہ ہو تو ایسی صورت میں متولی کو بقدر ضرورت خرچہ میں وقف کے حصہ کے مطابق شریک ہونے پر مجبور کیا جائے گا۔

ج: دو یا زیادہ افراد کے درمیان کوئی چیز مشترک ہے اور وہ ایسی خستہ حال ہے کہ اگر ابھی اس کی اصلاح و مرمت نہیں کی گئی تو بالکل ختم یا بری طرح خراب ہو جائے گی، ایسی صورت میں اگر سب شرکاء اصلاح و مرمت کے اخراجات برداشت کرنے پر راضی ہیں تو بہت اچھا، ورنہ تو اس چیز کو تقسیم کر دیا جائے گا اور اس کے بعد ہر مالک کا اختیار ہے کہ وہ اپنی چیز کی اصلاح کرے یا یوں ہی چھوڑ دے، لیکن اگر چیز بالکل ناقابل تقسیم ہے تو ایسی صورت میں اس کو مجبور کیا جائے گا کہ دوسرے شرکاء کے ساتھ مل کر اصلاح و مرمت کا ضروری خرچہ برداشت کرے۔

"در مختار" میں ہے:

لا يجبر الشريك على العمارة إلا في ثلاث: وصي وناظر وضرورة  
تعذر قسمة ككري نهر وممرمة قناة وبئر ودولاب وسفينة معينة  
وحائط لا يقسم أساسه فإن كان الحائط يحتمل القسمة ويبنى كل  
واحد في نصيبه السترة لم يجبر وإلا أجبر وكذا كل ما لا يقسم  
كحمام وخان وطاحون.<sup>۱</sup>

ترجمہ: تین صورتوں میں شریک کو تعمیر کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے: ایک یہ کہ وصی  
ہو، دوسرا نگران ہو اور آخری یہ کہ ضرورت ہو جیسا کہ تقسیم کرنا متعذر ہو، مثلاً: نہر کی  
کھدائی کرنا، کاریز، کنواں، الماری اور عیب دار کشتی کی مرمت یا ایسی دیوار جس کی بنیاد  
تقسیم نہیں کی جاسکتی۔ اور دیوار تقسیم کرنے کے قابل ہو اور ہر ایک اپنے حصے پر سترہ  
بنا سکتا ہو، تو اسے مجبور نہیں کیا جائیگا ورنہ مجبور کیا جائے گا، اسی طرح یہ ہر اس چیز کا  
حکم ہے جو قابل تقسیم نہ ہو جیسا کہ حمام، سرائے اور چکی۔

\*\*\*\*\*

<sup>۱</sup> الدر المختار مع حاشیة ابن عابدین، کتاب الشركة، باب الشركة الفاسدة، ج ۴ ص ۳۳۲.

## فصل پنجم:

### مشرکہ خاندانی نظام سے متعلق متفرق مسائل

مشرکہ گھرانے میں کسی ایک کی کمائی حرام ہو

مشرکہ گھرانے میں اگر کسی ایک شریک کی آمدنی حرام ہو مثلاً: وہ کسی سودی بینک میں ایسی ملازمت کرتا ہے جس کا تعلق سود کے لین دین یا لکھت پڑھت سے ہے، یا انشورنس کمپنی میں لین دین کی ملازمت کرتا ہے، یا اس کے علاوہ کوئی خلاف شرع کاروبار کرتا ہے، تو کیا اس کی وجہ سے پورے گھرانے کا کھانا پینا حرام ہو جائے گا یا نہیں؟ اس میں یہ تفصیل ہے کہ:

۱: اگر سب شرکاء کی کمائی نوبت بنو بت خرچ ہوتی ہو مثلاً کچھ دن تک ایک شریک سارے اخراجات برداشت کرتا ہے اور اس کے بعد دوسرا شریک اخراجات کرتا ہے، تو ایسی صورت میں جب مال حرام والے شریک کی نوبت آئے اور وہ مال حرام سے اخراجات کرے تو اس سے استفادہ کرنا جائز نہیں۔

۲: اگر سب شرکاء کے ذمہ مختلف چیزیں مقرر ہوں جیسا کہ ہمارے ہاں بہت سے جگہوں میں یہ رواج ہے کہ آٹا، گھی وغیرہ کچھ چیزیں ایک شریک کے ذمہ قرار دی جاتی ہیں اور چینی گیس وغیرہ کا خرچہ دوسرے شریک کے سر ڈالی جاتی ہیں، ایسی صورت میں جو چیزیں مال حرام والے شریک کے ذمہ ڈالی جائیں، اس سے استفادہ کرنا جائز نہیں، جبکہ وہ مکمل مال حرام سے متعلقہ اشیاء مہیا کرے، یا ایسے مال سے جس میں حرام غالب ہو، البتہ حلال مال زیادہ ہو تو گنجائش ہے۔

۳: اگر بےینہ حرام مال مہیا کرے مثلاً چوری یا رشوت کے ذریعے ملا ہوا آٹا گھی مہیا کرے، تو اس کا استعمال بھی جائز نہیں۔

۴: اگر ایک یا متعدد ورثاء کی کمائی حرام ہو اور سب شرکاء کی آمدنی ملانے کے بعد اس میں اکثر مال حرام ہو، تو اس کو بھی استعمال کرنا اور اس سے استفادہ کرنا شرعاً درست نہیں۔

۵: ان چار صورتوں کے علاوہ اگر کسی شریک کی طرف سے حرام مال مشترکہ کمائی میں ملایا جائے اور وہ مجموعی مال کے مقابلے میں کم ہو یعنی حلال مال اس کی بنسبت زیادہ ہو اور حرام مال بھی حلال کے ساتھ خلط ملط ہو کر بےینہ برقرار نہ رہے تو اس مجموعی مال کو جائز مقاصد میں خرچ کرنا، اس سے گھرانہ کی ضروریات پوری کرنا شرعاً جائز ہے۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

قال الناطفي رحمه الله تعالى إذا أهدى الرجل إلى إنسان أو أضافه إن كان غالب مال المهدي من الحرام ينبغي له أن لا يقبل الهدية ولا يأكل من طعامه ما لم يخبر أنه حلال ورثه أو استقرضه من غيره، و إن كان غالب مال المهدي من الحلال لا بأس بأن يقبل الهدية و يأكل ما لم يتبين عنده أنه حرام لأن أموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فيعتبر الغالب<sup>۱</sup>.

<sup>۱</sup> فتاویٰ قاضیخان، کتاب الحظر والإباحة، ج ۳ ص ۲۴۴.

ترجمہ: علامہ ناطقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب آدمی کسی کو کوئی چیز ہدیہ کے طور پر دیدے یا مہمان نوازی کرے، تو اگر دینے والا اکثر مال حرام ہو تو ہدیہ قبول کرنا یا ان کا کھانا کھانا درست نہیں، جب تک وہ معقول بات بیان نہ کرے یعنی کہ یہ حلال ہے، میراث میں ملا ہے یا قرض لیا ہے۔ اگر دینے والے اکثر مال حلال ہو تو جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ حرام مال ہے تو اس وقت تک اس سے ہدیہ قبول کرنا یا اس کا کھانا کھانا درست ہے، کیونکہ کچھ نہ کچھ حرام کی امیزش ہر مال میں ہوتی ہے۔

"اشباہ" میں ہے:

إذا كان غالب مال المهدي حلالاً، فلا بأس بقبول هديته،  
وأكل ماله ما لم يتبين أنه من حرام، وإن كان غالب ماله الحرام  
لا يقبلها، ولا يأكل إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه.<sup>۱</sup>

ترجمہ: جب ہدیہ دینے والا اکثر مال حلال ہو تو اس کے ہدیہ قبول کرنے اور مال کھانے میں کوئی حرج نہیں جب تک اس کا حرام ہونا واضح نہ ہو جائے اور اگر اکثر مال حرام ہو، تو اس وقت تک ہدیہ قبول نہ کرے اور نہ اسے ہی کھائے جب تک وہ یہ نہ کہے کہ یہ مجھے میراث میں ملا ہے یا کسی سے قرض لیا ہے۔

### مشترکہ گھرانہ میں پردہ کے حدود

پردے کا اصل درجہ یہ ہے کہ عورت اپنے تمام غیر محارم سے اپنے بدن کو چھپاتی رہے، ان کے ساتھ آزادانہ خلط ملط، بے تکلفی سے مکمل احتراز کرے، ان کے ساتھ تنہائی میں بالکل نہ رہے، اس لئے حتی الامکان اسی کا اہتمام کر لینا چاہئے، البتہ مشترکہ گھر میں رہنے کی وجہ سے اگر تمام بدن کا ہر وقت پردہ کرتے

<sup>۱</sup> غمز عیون البصائر فی شرح الأشباہ والنظائر، الفن الأول، ج ۱ ص ۳۴۳.

رہنا مشکل ہو تو اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ ایک بڑی چادر لے کر اپنے پورے بدن کو ڈھانک لے اور کام کاج کے وقت صرف چہرے، ہتھیلی اور بازو کو کھلا رکھے، چنانچہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ سے ایسی روایات بھی منقول ہیں کہ کام کاج کی ضرورت کی وجہ سے عورت کے پاؤں اور کلائی بازو کو دیکھنا مباح ہے جبکہ فتنہ و فحش کا خدشہ نہ ہو، چنانچہ "محیط برہانی" میں ہے:

وروی الحسن عن أبي حنيفة رضي الله عنها: أنه يجوز النظر إلى قدمها أيضاً؛ لأنها تحتاج إلى إبداء قدمها إذا مشت حافية أو متعلقة، فإنها لا تجد الخف في كل وقت.. عن أبي يوسف: أنه يجوز النظر إلى ذراعها أيضاً؛ لأنها تصير مبتلياً بإبداء ذراعها عند الغسل والطبخ، قيل: فكذلك يباح النظر إلى ثنایاها؛ لأن ذلك يبدوا منها عند التحدث مع الرجال في المعاملات، وذلك كله إذا لم يكن النظر عن شهوة، فإن كان يعلم أنه لو نظر اشتها، أو كان أكثر رأيه ذلك، فليجتنب بجهدہ<sup>۱</sup>.

ترجمہ: حسن بن زیاد رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ عورت کے قدموں کو دیکھنا درست ہے، کیونکہ ننگے پاؤں یا چپل سمیت چلتے وقت قدم نظر آتی ہے نیز ہر وقت جراب اور موزے دستیاب بھی نہیں ہوتے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ عورت کے ہاتھوں (کہنیوں) کو دیکھنے کی گنجائش ہے کیونکہ کپڑے دھونے اور کھانا پکاتے وقت یہ نظر آتی ہے، بعض روایات میں ہے کہ

<sup>۱</sup> محیط البرہانی، کتاب الکراہیۃ والإستحسان، الفصل التاسع، ج ۵ ص ۳۳۴.

شہوت کے بغیر دانتوں کو دیکھنا بھی جائز ہے کیونکہ آدمیوں کے ساتھ معاملات کرتے وقت باتوں کے دوران اسے دیکھنے کی نوبت آتی ہے البتہ اگر شہوت کا یقین یا غالب گمان ہو تو پھر بچنے میں خوب محنت کرنی چاہیے۔

مشترکہ طور پر رہن سہن کی صورت میں عورتوں کے لئے چونکہ ہر وقت مکمل جسم کا پردہ کرتے رہنا عملاً مشکل ہوتا ہے، اس لئے ان اقوال پر بھی عمل کرنے کی گنجائش ہے، تاہم اس کے ساتھ ساتھ مندرجہ بالا باتوں کی مکمل پابندی کرنا بھی لازم ہے۔ اس سلسلہ میں بہت کچھ کوتاہیاں ہوتی ہیں، مثلاً:

الف: گھر میں رہنے کی صورت میں پردے کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا، بلکہ شوہر کے بھتیجوں، بھانجوں، اور بچازاد بھائیوں وغیرہ سے پردہ کرنے کو معیوب تک سمجھا جاتا ہے، حالانکہ بعض عناصر کے لحاظ سے ان جیسے قریب کے رشتہ داروں سے پردہ کرنا دیگر لوگوں سے پردہ کرنے کی بنسبت زیادہ اہم اور لازم ہے، احادیث مبارکہ میں جو دیور کو "موت" فرمایا گیا ہے اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ ہر وقت بھائی کے گھر آسکتا ہے، اس لئے بعض اوقات تنہائی وغیرہ تک کی نوبت پہنچ سکتی ہے۔

ب: آزادانہ میل اور جول اور کھلا اختلاط رکھا جاتا ہے حتیٰ کہ بسا اوقات غیر محرم کے ساتھ تنہائی و خلوت تک کی نوبت آجاتی ہے، حالانکہ یہ قطعاً ناجائز اور سخت گناہ کی بات ہے، حدیث شریف میں ہے:

ألا لا یخلون رجل بامرأة إلا كان ثالثهما الشيطان.<sup>۱</sup>

<sup>۱</sup>سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۱۶۵۔

ترجمہ: خبردار کوئی بھی آدمی کسی (اجنبی) عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے کیونکہ تیسرا ان کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔

"در مختار" میں ہے:

وفي الأشباه: الخلوۃ بالأجنبية حرام.<sup>۱</sup>

ترجمہ: "اشباہ" میں ہے کہ اجنبی عورت کے ساتھ خلوت کرنا حرام ہے۔

ج: گپ شپ اور ضرورت و بے ضرورت بات چیت کی جاتی ہے حالانکہ خود ازواج مطہرات (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو نرم و خوشنما آواز کے ساتھ غیر محرم سے بات چیت کرنے سے ممانعت فرمائی گئی، اس لئے افرادِ خانہ میں سے جو نامحرم ہے ان کے ساتھ بے ضرورت بات چیت، ہنسی مذاق سے گریز کرنا ضروری ہے بلکہ نامحرم مرد کے سامنے خواتین آپس میں بھی ہنسی مذاق کرنے اور بے حجابانہ گپ شب لگانے سے احتراز کریں۔

د: بہت سی جگہوں میں غیر محرم مردوں کے ساتھ ہاتھ ملا یا جاتا ہے، حالانکہ عام حالات میں غیر محرم کے ساتھ بلا حائل ہاتھ ملانا شرعاً ناجائز اور سخت گناہ ہے، جس سے احتراز کرنا لازم ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

"ولا یحل له أن یمس وجهها ولا کفہا وإن کان یأمن الشهوة"  
لقيام المحرم وانعدام الضرورة والبلوی، بخلاف النظر لأن فیہ  
بلوی. والمحرم قوله علیه الصلاة والسلام: "من مس کف امرأة

<sup>۱</sup> الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی النظر والمس، ج ۶ ص ۳۶۸.

لیس منها بسبیل وضع علی کفه جمرة یوم القیامة" وهذا إذا كانت  
شابة تشتھی<sup>۱</sup>.

ترجمہ: آدمی کے لئے حلال نہیں کہ وہ عورت کے چہرے یا ہاتھوں کو مسح کرے اگرچہ  
شہوت کا خوف نہ ہو، کیونکہ حرمت کی دلیل موجود ہے اور ضرورت اور عموم بلوی  
بھی نہیں ہے، البتہ دیکھنا جائز ہے کیونکہ اس میں عموم بلوی ہے حرمت کی دلیل آپ  
ﷺ کا ارشاد ہے ”اگر کسی نے عورت کے ہاتھ کو چھو لیا اور اس کی کوئی شرعی وجہ نہ  
ہو قیامت کے دن اس کے ہاتھ میں انگارہ رکھا جائے گا۔

س: مردوں کو بھی چاہئے کہ گھر میں آمد و رفت کے وقت کھنکھار کر آنے کا  
اہتمام کریں، تاکہ اگر کوئی خاتون سامنے ہو تو وہ فوراً حجاب کا اہتمام کرے، اس  
طرح احتیاط کرنے سے پردے کے حکم کا تحفظ ہو جائے گا جس میں دین و دنیا کے  
بہت سے فوائد اور نعمتیں نصیب ہو سکتی ہیں انشاء اللہ تعالیٰ۔

### احسان و بھلائی کی وجہ سے کسی کی کمائی میں شرکت کا دعویٰ

بڑے بھائیوں نے چھوٹے بھائی کو کام کاج کرنے سے فارغ کر کے تعلیم  
کے لئے فارغ کر دیا، تعلیم کے بعد اس کو کوئی بڑی نوکری ملی، تو اس کی تنخواہ میں  
دیگر بھائیوں کا کوئی استحقاق نہیں ہے، البتہ اس کو اخلاقی طور پر چاہئے کہ دیگر  
بھائیوں کے احسانات کو فراموش نہ کرے اور اپنی استطاعت کے بقدر ان کی خاطر  
مدارات کرتا رہے۔

<sup>۱</sup> الهدایة فی شرح بدایة المبتدی، کتاب الکراهیة، فصل فی الوطاء والنظر واللمس، ج ۴ ص

ایک یا متعدد بھائیوں نے مل کر ایک بھائی کو باہر ملک کسی ملازمت کے لئے بھیجا اور اس نے جا کر وہاں مال کمایا تو اس کمائی میں دیگر بھائی شراکت کا دعویٰ نہیں کر سکتے، البتہ بھیجنے کے لئے جو اخراجات انہوں نے کئے تھے، اس کا مطالبہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں وہی تفصیل ہے جو پہلے گزر چکی ہے کہ اگر بھائی چارگی اور احسان کے طور پر یہ اخراجات برداشت کئے، تو مطالبہ کرنے کا حق نہیں اور اگر قرض کے طور پر کئے تو جس بھائی نے اس طور پر جتنا خرچہ کیا، اتنی رقم کا وہ مطالبہ کر سکتا ہے۔

والد صاحب کسی بڑے عہدے پر فائز تھے، اب اس کا انتقال ہوا اور متعلقہ ادارے کی طرف سے مرحوم کے بیٹوں میں سے کوئی ایک بیٹا اس عہدے کو حاصل کر سکتا ہے، کسی ایک بھائی نے بڑھ کر محکمہ کے ضابطہ کے مطابق وہ عہدہ حاصل کیا، یا تمام بھائیوں نے مل کر کسی کو ایک منتخب کیا اور یوں ایک بھائی مرحوم والد کے عہدے پر فائز ہوا، تو یہ بھی دیگر بھائیوں کی خیر خواہی اور احسان شمار ہوگا اور محض اس کی وجہ سے ان بھائیوں کا اس کی تنخواہ میں کوئی استحقاق پیدا نہیں ہوگا۔

### ایک بستر پر سونے کا حکم

بعض علاقوں میں دیکھا گیا ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں آپس میں ایک ہی بستر اور ایک ہی چارپائی میں سوتے ہیں، یہ بالکل غلط ہے، مسئلہ یہ ہے کہ جب اولاد دس سال کی ہو جائے تو ان کا بستر جدا کر لینا ضروری ہے، اس کے بعد کسی واقعی عذر کے بغیر ایک ہی بستر میں دو یا زیادہ بہن بھائیوں کا سونا شرعاً درست نہیں ہے، اس

کی وجہ سے بڑے فتنے پیدا ہو جاتے ہیں، اس لئے حدیث مبارکہ میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ دس سال کی عمر تک پہنچنے کے بعد بچوں کے بستر جدا کر دئے جائیں، چنانچہ سنن ابی داؤد میں ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مروا أولادكم بالصلاة

وهم أبناء سبع سنين، واضربوهم عليها، وهم أبناء عشر

وفرقوا بينهم في المضاجع.<sup>۱</sup>

ترجمہ: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جب بچے سات برس کے ہو جائیں تو ان کو

نماز ادا کرنے کا حکم کرو اور جب دس برس کے ہو جائیں، تو نماز نہ پڑھنے پر ان کو مارو

اور ان کے بستر جدا کرو۔

"در مختار" میں ہے:

(ولا يجوز للرجل مضاجعة الرجل وإن كان كل واحد منهما في

جانب من الفراش) .. وإذا بلغ الصبي أو الصبية عشر سنين يجب

التفريق بينهما بين أخيه وأخته وأمه وأبيه في المضجع لقوله عليه

الصلاة والسلام وفرقوا بينهم في المضاجع وهم أبناء عشر.<sup>۲</sup>

ترجمہ: ایک آدمی کا دوسرے آدمی کے ساتھ لیٹنا جائز نہیں اگرچہ ہر ایک بستر کے

دوسرے کنارے میں ہو۔ جب بیٹا یا بیٹی دس سال کے ہو جائیں تو ان کے اور ان

کے بھائی، بہن، ماں اور باپ کے درمیان آپ ﷺ کے فرمان کی وجہ سے بستر میں

<sup>۱</sup> سنن ابی داؤد، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة.

<sup>۲</sup> الدر المختار مع حاشية ابن عابدين، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، ج ۶ ص

جدائی کرنا لازم ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بیٹے دس سال کے ہو جائے  
ان کے بستروں کو جدا کروں۔

\*\*\*\*\*

## فصل ششم:

### نابالغ بچوں کے املاک کے حکام

#### نابالغ بچوں کی چیزیں استعمال کرنے کا حکم

جو چیزیں کسی نابالغ بچے کی ملکیت میں ہوں، مثلاً اس کو میراث میں ملی ہو، کسی نے اس کو کوئی چیز دیدی یا خود والدین نے کوئی چیزیں مالکانہ طور پر دیدی، تو والدین یا دیگر سرپرستان کی ذمہ داری ہے کہ ان اشیاء کی حفاظت کریں اور جس بچے کی ملکیت ہے، اسی کی مصلحت میں خرچ کریں، ان اشیاء میں بچے کی مصلحت کے خلاف کوئی تصرف کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، عام طور پر اس مسئلہ میں بڑی کوتاہی برتی جاتی ہے، والدین اور مشترکہ طور پر رہتے ہوئے دیگر اہل خانہ بچوں کے مال میں شرعی حدود کا خیال بالکل نہیں رکھتے، بلکہ موقع موقع پر اس میں بہت سی غفلت کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

الف: بچے کے ہاتھ سے خود یا اس کے دینے پر کوئی چیز لیکر کھانا اور اپنے لئے استعمال کرنا۔

ب: ایک بچے کے ہاتھ سے کچھ چیس، ٹافی وغیرہ کوئی معمولی یا غیر معمولی چیز لیکر دوسرے بچے کو دیدینا۔

ج: کسی بچے کے لئے گرمی / سردی کا لباس یا دیگر اسباب و سامان خرید کر دیدیا، ضرورت پوری ہو جانے کے بعد وہ چیزیں دیگر بچوں کو مفت میں دینا یا استعمال کر سکنے کے باوجود یوں ہی ضائع کر دینا۔

د: بچے کی مملوکہ رقم یا دیگر کوئی چیز بلا ضرورت اس نیت سے استعمال کرنا کہ بعد میں دیدوں گا۔

س: والدین اور سرپرست کے علاوہ دیگر لوگوں کا بچوں سے اپنی ذاتی خدمت لینا، جبکہ اس میں بچے کی تادیب و تہذیب وغیرہ کوئی مصلحت بھی ملحوظ نظر نہ ہو۔  
ص: بچے کی مملوکہ چیز وقتی طور پر خود استعمال کرنا یا کسی اور کو دلانا۔  
ط: مشترکہ ترکہ / اموال سے کوئی صدقہ و خیرات کرنا، جبکہ اس میں نابالغ بچوں کا حصہ بھی ہو۔

یہ اور اس نوعیت کے تمام وہ تصرفات جو احسان اور تبرع پر مبنی ہو، بچوں کے اموال میں جائز نہیں ہے، کیونکہ نابالغ بچہ تبرع کا اہل نہیں ہے، تبرع درست ہونے کے لئے عاقل اور بالغ ہونا ضروری ہے، چنانچہ نابالغ یا دیوانہ شخص کسی کو ہدیہ، تحفہ یا احسان کے طور پر کچھ دینا بھی چاہے تو اس کو اپنے لئے وصول کرنا اور استعمال کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اول تو وصول ہی نہ کرے اگر کہیں وصول کرنے کی ضرورت ہو مثلاً کسی بچہ کو بہلانے کے لئے ایسا کرنے کی نوبت آجائے، تو وصول کرنے کے بعد واپس لوٹانا ضروری ہے۔

پھر یہ تبرع و احسان چاہے مادی چیزوں کے متعلق ہو یا خدمت و منفعت کی شکل میں، بہر صورت درست نہیں ہے، جس طرح ہدیہ، صدقہ تبرع و احسان ہے یوں ہی کسی کی چیز وقتی طور پر لیکر استعمال کرنا یعنی عاریت یا قرض کے طور پر کوئی چیز لینا بھی تبرع کی ایک قسم ہے، لہذا نابالغ بچے کے مال میں یہ سارے تصرفات شرعاً ممنوع ہیں جس سے احتراز کرنا لازم ہے، والدین کے حق میں بھی عام حالات میں

یہی حکم ہے، البتہ بعض حالات میں ضرورت کے وقت وہ نابالغ بیٹے کا مال اپنے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔

مبسوط میں ہے:

وكفالة الصبي التاجر بإذن أبيه أو بغير إذنه بنفس أو مال باطلة؛ لأنه تبرع ولا يملكه الصبي بغير إذن أبيه ولا بإذنه كالهبة وهذا لأن عقل الصبي إنما يعتبر شرعا فيما ينفعه، والتبرع ليس من جنس ما ينفعه عاجلا، وإذن الأب له لا يصح فيما لا يملك الأب مباشرته كالطلاق ونحوه؛ ولأن الكفالة إقراض للذمة بالتزام الحق فيها فكان كإقراض المال فلا يملكه الصغير بإذن أبيه ولا بغير إذنه.<sup>۱</sup>

ترجمہ: تجارت کرنے والا بچے کا کسی کا کفیل بالمال یا کفیل بالنفس ہونا باطل ہے، چاہے باپ کی اجازت ہو یا نہ ہو، کیونکہ یہ تبرع ہے اور بچے کو باپ کی اجازت یا اس کے بغیر بہر حال ہبہ اور دوسرے تبرع کا اختیار نہیں، کیونکہ بچے کا عقل شرعا صرف ان چیزوں میں معتبر ہے جو اس کے لئے نافع ہو، اور تبرع ان چیزوں میں سے نہیں جو فی الحال اسے مفید ہو، جن چیزوں کے کرنے کا باپ خود مالک نہ ہو اس میں اس کی اجازت بھی درست نہیں ہے جیسا کہ طلاق وغیرہ۔

الاشباہ میں ہے:

<sup>۱</sup> المبسوط للسرْحسي، كتاب الكفالة، باب الكفالة بالنفس والوكالة بالخصومة، ج ۲، ص ۸.

وإذا أهدي للصبى شيء وعلم أنه له فليس للوالدين الأكل منه

بغير حاجة كما في الملتقط.<sup>۱</sup>

ترجمہ: اگر کوئی بچے کو کوئی چیز دے جائے اور یہ والدین کو اس کا علم ہو معلوم ہو تو بلا ضرورت اسے لے کر کھانا درست نہیں۔

در مختار اور شامی میں ہے:

ويباح لوالديه أن يأكلا من مأكول وهب له، وقيل لا، انتهى، فأفاد أن غير المأكول لا يباح لهما إلا الحاجة. وفي الردّ تحتہ: قال في التارخانية روي عن محمد نص أنه يباح. وفي الذخيرة: وأكثر مشايخ بخاری علی أنه لا يباح. وفي فتاویٰ سمرقند: إذا أهدي الفواكه للصغير يحل للأبوين الأكل منها إذا أريد بذلك الأبوان لكن الإهداء للصغير استصغارا للهدية اهـ. قلت: وبه يحصل التوفيق، ويظهر ذلك بالقرائن، وعليه فلا فرق بين المأكول وغيره بل غيره أظهر فتأمل.<sup>۲</sup>

ترجمہ: بچے کو ملی چیز والدین کو کھانے کی گنجائش ہے جبکہ بعض کے نزدیک اجازت نہیں، معلوم ہوا کہ کھانے کے علاوہ دوسری چیزیں صرف ضرورت کے وقت استعمال کرنا مباح ہے۔ تاتارخانیہ میں امام محمد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ بلا ضرورت بھی مباح ہے مگر بخارا کے اکثر مشائخ کے نزدیک بلا ضرورت مباح نہیں۔ فتاویٰ سمرقند

<sup>۱</sup> الأشباه والنظائر مع الغمز، أحكام الصبيان، ج ۳ ص ۳۱۷.

<sup>۲</sup> الدر المختار مع حاشية ابن عابدين، كتاب الهبة، ج ۵ ص ۶۹۶.

میں ہے کہ جب چھوٹے بچے کو پھل وغیرہ بطور ہدیہ ملے اور مقصود والدین کو دینا ہو تو ان کو انہیں کھانا جائز ہے اور بچے کو وہ چیز کمتر سمجھنے کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔  
بہر حال اس سے تمام باتوں میں تطبیق حاصل ہوگی اور استعمال کے حکم میں ماکول اور غیر ماکول کا کوئی فرق نہیں۔

### بچوں کا ایک دوسرے کو چیزیں دینا

بسا اوقات بچے ایک دوسرے کو مختلف چیزیں دیتے ہیں، یا والدین ایک بچے کے ہاتھ سے کوئی چیز لے کر دوسرے کو پکڑاتے ہیں تاکہ اس کا رونا دھونا ختم ہو جائے، دونوں صورتوں میں وہی خرابی ہے کہ بچے کی چیز اس کی مصلحت کے بغیر دوسرا شخص استعمال کرتا ہے جو کہ شرعاً جائز نہیں ہے، پہلی صورت میں اگرچہ بچہ خود شرعی احکام کا مکلف نہیں ہوتا، تاہم اگر والدین / سرپرست کے سامنے ہو تو اس کے لئے کوئی ایسی ترکیب ضرور بنالین چاہئے جس سے لین دین کا یہ سلسلہ ختم ہو۔

### بچوں کے املاک کے متعلق مشکلات سے بچنے کی آسان تدبیر

نابالغ بچوں کے اموال کے متعلق جتنے احکام ابھی تک ذکر کئے گئے ہیں، اس کی بنیاد یہ ہے کہ بچوں کے ہاتھ کوئی چیز مالکانہ طور پر تھما دی جائے یا والدین ہدیہ / گفٹ کے طور پر کوئی چیز اس کے لئے مختص کر دیں، اگر والدین یا دیگر رشتہ دار یہ احتیاط کریں کہ بچے کو کوئی چیز مالکانہ طور پر دینے یا مختص کرنے کے بجائے عاریت اور اباحت کا معاملہ کیا کریں تو اس صورت میں یہ مشکلات کافی حد تک ختم ہو جاتی ہیں، کیونکہ اس صورت میں بچہ مالک نہیں بنے گا بلکہ دینے والے کی ملکیت

برقرار رہے گی، لہذا اگر چاہے تو وہ خود اس چیز کو استعمال کر سکتا ہے اور اس کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت سے دیگر رشتہ دار وغیرہ بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر اگر بچہ چھوٹی موٹی کھانے کی چیز خریدنے کے لئے پیسے مانگتا ہے تو والد پیسے دیتے ہوئے اس نیت سے نہ دے کہ بس یہ پیسے اس کے ہو گئے بلکہ عاریت / قرض کی نیت سے دیدے، یا اپنے لئے اس چیز کو لینے کا کہے، پھر بلاشبہ بچے ہی کو کھانے دے، پہلی دو صورتوں میں بچے کو دل سے بری کر دے، اسی طرح لباس، جوتا، سائیکل اور کھلونا وغیرہ چیزیں خریدتے وقت یہ نیت نہ کریں کہ بچے کی ہو جائے گی، بلکہ اپنی ملکیت میں ان تمام اشیاء کو برقرار رکھتے ہوئے اباحت کے طور پر اولاد کو مہیا کر دیدیں۔

### بچوں کے نام تحفہ و تحائف کا حکم

شادی بیاہ یا ختنہ و ضیافت وغیرہ کے موقع پر بچوں کو تحفہ و تحائف دئے جاتے ہیں، لیکن ان کے لیتے دیتے وقت یہ بات واضح نہیں کی جاتی کہ اصل ہدیہ کس کو دینا مقصود ہے، حالانکہ دونوں کے مسائل و احکام جدا جدا ہیں اور اس کی وجہ سے بعض اوقات بڑی الجھن پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے بچوں کے نام کچھ دیتے وقت اولاً تو خود دینے والے کو چاہئے کہ وہ خود وضاحت کرے کہ خاص بچے کو دینا مقصود ہے یا اس کے والدین کو؟ اگر دینے والے نے کسی وجہ سے اس بات کی وضاحت نہیں کی تو لینے والے کو چاہئے کہ وہ اس کا منشا معلوم کر کے اس کے مطابق عمل کرے، اس میں شرمناشرمی سے کام لینا مناسب نہیں ہے، بلکہ یہ تو معاملات کی صفائی ہے جس سے سب کو راحت ملتی ہے۔

اگر کہیں تحفہ دینے والے نے کوئی وضاحت کی، نہ ہی والدین وغیرہ کوئی استفسار کر سکیں، تو اس کے حکم میں یہ تفصیل ہے کہ تحفہ کی نوعیت کو دیکھا جائے:

الف: اگر کوئی ایسی چیز ہے جو بچے ہی کے استعمال کی ہے مثلاً بچے کے بدن کے مناسب لباس و پوشاک، کھلونا وغیرہ، تو اس قسم کی چیزیں خود بچے ہی کی ملکیت شمار ہوگی اور اس میں ان احکام کی پابندی ضروری ہے جو پہلے ذکر کئے جا چکے۔

ب: اگر چیز ایسی ہو کہ وہ والدین میں سے کسی کے ساتھ مخصوص ہو، مثلاً مردوں یا عورتوں کا مخصوص لباس، یا دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ خاص زیب و زینت کے لئے استعمال ہونے والی چیزیں وغیرہ، یہ اسی کا ہو گا جس کے ساتھ مخصوص ہو اور یہ سمجھا جائے گا کہ تحفہ دینے والا اسی کو تحفہ دینا چاہتا تھا لیکن کم قیمت ہونے یا کسی اور وجہ سے بچے کے سر رکھ دیا۔

ج: اگر چیز بچے کے ساتھ مخصوص ہے نہ ہی والدین میں سے کسی کے ساتھ خاص ہے، تو ایسی صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ تحفہ دینے والا کون ہے؟ اگر والد کے رشتہ دار یا دوست و احباب نے یہ چیز دی ہیں تو والد کا تحفہ شمار ہو گا اور اگر والدہ کے سہیلیوں یا اس کے اقرباء نے کوئی چیز بچے کے پاس رکھی ہے تو وہ بچے کے والدہ کو تحفہ دینا سمجھا جائے اور یہی قرار دیا جائے گا کہ اصل تحفہ اسی والد یا والدہ کو دینا مقصود تھا لیکن کم قیمت ہونے یا کسی اور عنصر کی وجہ سے بچے کے سر ہانے رکھا۔

"تکلمہ بحر" میں ہے:

لو اتخذ الأب وليمة للختان فأهدى الناس هدايا ووضعوا بين يدي  
الولد فإن كانت الهبة تصلح للصبي مثل ثياب الصبيان أو شيء

يستعمله الصبيان فالهدية للصبى وإن كانت غير تلك كالدرهم  
والدنانير والحيوان ومتاع البيت ينظر إلى المهدي إن كان من أقرباء  
الأب أو معارفه فهو للأب وإن كان من أقرباء الأم أو معارفها فهو  
للأم وسواء كان المهدي يقول عند الهدية هذا للصبى أو لم يقل  
.. وهذا إذا لم يقل المهدي أهديت للأب أو للأم وتعذر الرجوع إلى  
قوله أما إذا قال شيئاً فالقول قوله كذا في الخلاصة. اهـ.<sup>۱</sup>

ترجمہ: اگر باپ ختنہ کے موقع پر دعوت کا اہتمام کرے لوگ اسے ہدیہ دے کر بچے  
کے سامنے رکھ دیں تو دیکھا جائے گا: اگر ہدیہ ایسا ہوں جو بچے کے مناسب ہو مثلاً بچوں  
کے کپڑے یا اور کوئی چیز جو بچے استعمال کرتے ہوں، تو یہ ہدیہ بچے کا ہوگا، اگر اس کے  
علاوہ کوئی چیز ہو، جیسے دراہم اور دنانیر، حیوان اور گھر کا سامان تو ہدیہ دینے والے کو  
دیکھا جائے گا، اگر والد کے رشتہ دار یا دوست و احباب نے دیا ہوں تو باپ کا ہوگا اور  
اگر ماں کے رشتہ داروں یا سہیلیوں نے دیا ہوں، تو ماں کا ہدیہ شمار ہوگا چاہے ہدیہ  
دینے والے نے یہ کہا ہو کہ یہ بچے کے لئے ہے یا نہ کہا ہو۔ یہ حکم تب ہے جب ہدیہ  
دینے والے نے کچھ نہ کہا ہو کہ میں باپ یا ماں کو ہدیہ دیتا ہے اور اس کی طرف رجوع  
کرنا (یعنی اس سے پوچھنا) متعذر ہو۔ البتہ اگر کچھ وضاحت کی ہو تو اس کا اعتبار کیا  
جائے گا۔

علامہ ابن شحنے رحمہ اللہ نے اس کے ساتھ مزید فرمایا کہ:

ينظر إلى المهدي إن كان من أقرباء الأب أو معارفه فهو للأب لأن  
التمليك منه عرفاً وإن كان من أقرباء الأم أو معارفها فهو للأم لأن

<sup>۱</sup> البحر الرائق، كتاب الهبة، ج ۷ ص ۲۸۸.

التملیک منها عرفا فكان التعویل علی العرف حتی لو وجد سبب  
أو جهة یستدل به علی غیر ما قلنا یعتمد علی ذلك.<sup>۱</sup>

ترجمہ: ہدیہ دینے والا کو دیکھا جائے گا، اگر والد کے رشتہ دار یا دوست و احباب میں  
سے ہو تو ہدیہ باپ کا ہوگا، کیونکہ عرف میں ان کی طرف سے باپ کو دیا جاتا ہے اور  
اگر ماں کے رشتہ دار یا سہیلیوں نے دیا ہوں تو ماں کا ہدیہ شمار ہوگا کیونکہ عرف میں ان  
کی طرف سے ماں کو تملیک ہوتی ہے، اور اگر کوئی سبب یا جہت ایسا پایا جائے کہ وہ کسی  
اور جہت پر دلالت کرے تو اس پر اعتماد کیا جائے گا۔

### بیٹے کے مال میں تصرف کرنے کے حدود

اگر والدین محتاج و فقیر ہیں تو اولاد پر لازم ہے کہ ان کے نان و نفقہ کا  
مناسب انتظام کریں، نان نفقہ کی ضرورت کے علاوہ بھی والدین کی جانی و مالی  
خدمت کرنا، ان کو آرام و سکون پہنچانا، دنیا و آخرت کے لحاظ سے بڑی سعادت اور  
خوش بختی کی علامت ہے اور ساتھ احسان شناسی اور ایک اخلاقی فریضہ بھی ہے،  
لیکن اس کے باوجود والدین کے لئے اس بات کا اختیار نہیں ہے کہ کسی بیٹے کی  
رضامندی یا اجازت کے بغیر بلا ضرورت اس کے مال کو خرچ کریں، ہبہ و صدقہ  
کردیں یا کہیں فروخت کر دیں۔ "تبیین" میں ہے:

ثم الغلام إذا بلغ رشیدا فله أن ینفرد بالسکنی، و لیس لأبیہ أن  
یضمہ إلى نفسه بغير اختیاره.. اعتبارا لنفسه بہالہ، فإذا بلغ رشیدا لا  
یبقی للأب ید فی مالہ فکذا فی نفسه،<sup>۱</sup>

<sup>۱</sup> لسان الحکام، الفصل التاسع عشر فی الهبة، ص ۳۷۲.

ترجمہ: جب لڑکا بالغ اور سمجھدار ہو جائے تو اسے علیحدہ رہنے کا اختیار ہے، اور باپ کو اختیار نہیں کہ اس کی رضامندی کے بغیر اسے اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کرے بالغ ہونے کے بعد اس کے مال و جان میں والد کی ولایت ختم ہوتی ہے۔

### "انت وما لک لابیک" کا دائرہ کار

بعض لوگ ایک حدیث سے استدلال کر کے غلط فہمی کے شکار ہو جاتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے دربار عالیہ میں ایک موقع پر بیٹے نے باپ کے خلاف کچھ شکایت کی کہ وہ اس کا مال بغیر اجازت استعمال کرتا ہے، تو حضور ﷺ نے بیٹے سے فرمایا تھا کہ: "انت وما لک لابیک" تو اور تیرا مال باپ کا ہے، اس روایت سے استدلال کر کے یہ سمجھا جاتا ہے کہ باپ بیٹے کا مال جس طرح چاہے، استعمال کر سکتا ہے کیونکہ بیٹے کا مال درحقیقت باپ ہی کا مال ہے، اس لئے بہت سے والدین اولاد کا مال بے دھڑک استعمال کرتے ہیں اور اس میں کسی طرح اجازت لینے یا اطلاع تک دینے کی ضرورت نہیں سمجھتے، بلکہ اس کو خلاف مروت سمجھا جاتا ہے، حالانکہ بسا اوقات بیٹا ان تصرفات پر دل سے راضی نہیں ہوتا اور خود والدین کو بھی اس کا علم ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ اس حدیث شریف کا یہ مقصود نہیں ہے اور اس سے یہ استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ بیٹے کا مال بہر حال باپ کی ملکیت ہے جسے وہ جب اور جیسے چاہے استعمال کر سکتا ہے، یہ مفہوم تو متعدد دلائل کے بھی خلاف ہے اور ان

۱ تبیین الحقائق شرح کثر الدقائق، باب الحضانة، ج ۳ ص ۴۹۔

احادیث کی بھی جس میں یہ ضابطہ بیان فرمایا گیا ہے کہ والد، اولاد سمیت تمام لوگوں کی نسبت ہر شخص اپنے مال کا زیادہ حقدار ہے، چنانچہ سنن دارقطنی میں ہے:

عن حبان بن أبي جبلة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

كل أحد أحق بهاله من والده وولده والناس أجمعين<sup>۱</sup>.

ترجمہ: حبان بن ابی جبلیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر ایک اپنے مال میں باپ، بچے اور تمام لوگوں سے زیادہ حقدار ہے۔

لہذا مندرجہ بالا حدیث نان و نفقہ کی ضرورت کے وقت ہی پر محمول ہے، چنانچہ جس موقع پر حضور ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی وہ ابھی ایسا ہی موقع تھا کہ جہاں باپ بیٹے کا محتاج تھا۔

تقریباً تمام احکام میں باپ بیٹے کے جدا جدا املاک کی رعایت رکھی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ محض بیٹے کے مالدار ہونے کی وجہ سے باپ پر زکوٰۃ واجب ہے نہ قربانی و صدقہ فطر، اسی طرح اگر باپ بہر حال بیٹے کے املاک کا مالک ہوتا، بیٹے کے مرنے کے بعد اس کا ترکہ تقسیم کرنے کی ضرورت نہ تھی حالانکہ عام حالات میں والد کے لئے بیٹے کے ترکہ میں صرف چھٹا حصہ مقرر کیا گیا ہے۔

امام ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ ایک مسئلہ کی تشریح کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

ولیس له من ماله إلا القوت عند الفقر والزمانة وما استهلك من

ماله غیر ذلك ضمنه له ألا ترى أنه لیس له من مال ولده إن مات

وترك ولدا إلا السدس وسائر ماله لولده، وهذا بین أن قوله صلى

<sup>۱</sup> سنن الدارقطنی، رقم الحدیث: ۴۵۶۸، ج ۵ ص ۴۲۲.

اللہ علیہ وسلم (أنت ومالك لأبيك) أنه ليس علي التمليك وكما  
 كان قوله عليه الصلاة والسلام (أنت) ليس علي التمليك فكذلك  
 قوله عليه الصلاة والسلام (ومالك) ليس علي التمليك ولكنه علي  
 البر به والإكرام له.<sup>۱</sup>

ترجمہ: باپ کو بیٹے کے مال میں سے فقیر یا معذور ہونے کی صورت میں کھاپی لینے کا حق  
 ہے اور اس کے علاوہ جو مال استعمال کرے گا یا ہلاک کرے گا اس کا ضامن  
 ہو گا چنانچہ جب بیٹا فوت ہو جائے اور اس کی اولاد ہوں تو باپ کو میراث میں سدس  
 ملے گا اور باقی مال بچوں کا ہو گا، معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا ارشاد (أنت ومالك  
 لأبيك) تملیک کے لئے نہیں، کیونکہ (اس ارشاد گرامی میں اس کے "انت" جان  
 کا جو تذکرہ ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اس کے نفس کا مالک نہیں، نیز دوسرا لفظ "مالك" میں  
 جو مال کی نسبت بیٹے کی طرف کی گئی ہے یہ بھی دلیل ہے کہ وہ بیٹے کا مال ہے) مراد  
 تملیک نہیں بلکہ ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی کی ترغیب کے طور پر بیان کی گئی ہے۔

علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(كل أحد أحق بهاله من والده وولده والناس أجمعين) لا يناقضه  
 الخبر المار أنت ومالك لأبيك لما سبق أن معناه إذا احتاج لمالك  
 أخذه لا أنه يباح له ماله على الإطلاق إذ لم يقل به أحد.<sup>۲</sup>  
 ترجمہ: ہر ایک اپنے مال میں والد، بچوں اور تمام لوگوں سے زیادہ حقدار ہے۔ یہ  
 حدیث دوسری حدیث: (انت ومالك لأبيك) کا معارض نہیں، کیونکہ اس کا معنی یہ ہے

<sup>۱</sup> الاستذکار، باب ما لا حد فیہ، ج ۷ ص ۵۲۵.

<sup>۲</sup> فیض القدیر، رقم الحدیث: ۶۲۷۱ ج ۵ ص ۹.

کہ: جب باپ بیٹے کے مال کا محتاج ہو تو اس کے لئے لینا جائز ہے، ایسا نہیں کہ مطلقاً اس کے لئے مال لینا حلال ہے، اس پر کسی نے قول نہیں کیا ہے۔

---

### فهرس المصادر والمراجع

❖ الاختيار لتعليل المختار. عبد اللد بن محمود بن مودود الموصلى البلدى،  
مجد الدين أبو الفضل الخنقى (المتوفى: ٦٨٣هـ): مطبعة الحلبي -

القاهرة. تاريخ النشر: ١٣٥٦هـ-١٩٣٧م

❖ الاستذكار، أبو عمر يوسف بن عبد اللد بن محمد بن عبد البر بن عاصم  
النمرى القرطبى (المتوفى: ٤٦٣هـ، سالم محمد عطا، محمد على معوض، دار

الكتب العلمية-بيروت

❖ الأشباه والنظائر مع غمز عيون البصائر. أحمد بن محمد كلى، أبو العباس،  
شهاب الدين الحسينى الحموى الخنقى (المتوفى: ١٠٩٨هـ): دار

الكتب العلمية. الطبعة: الأولى، ٤٠٥هـ-١٩٨٥م.

❖ الأصل، أبو عبد اللد محمد بن الحسن بن فرقد الشيبانى (المتوفى: ١٨٩هـ)  
(تحقيق ودراسة: الدكتور محمد بوينو كالى، دار ابن حزم، بيروت -

لبنان

❖ بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن  
أحمد الكاسانى الخنقى (المتوفى: ٥٨٧هـ): دار الكتب العلمية. الطبعة:

الثانية، ٤٠٦هـ-١٩٨٦م.<sup>١</sup>

- ❖ البناية شرح الهداية، أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتاني الخنفي بدر الدين العيني (المتوفى : ٨٥٥هـ)، دار الكتب العلمية-بيروت
- ❖ تاسيس النظر،
- ❖ تبين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشنبلبي، عثمان بن علي الريلعي الخنفي (المتوفى : ٧٤٣هـ) الناشر: المطبعة الكبرى الأميرية-بولاق، القاهرة الطبعة: الأولى، ١٣١٣هـ
- ❖ تحفة الفقهاء لعلاء الدين السمرقندي ٥٣٩ دار الكتب العلمية، بيروت-لبنان
- ❖ تنقيح الفتاوى الحامدية لابن عابدين الشامي
- ❖ جامع الفصولين. اسلامي كتب خانه. بنوري تاوان.
- ❖ درر الحكام شرح غرر الأحكام، محمد بن فرامرزين علي الشهير بملا-أومنلا أو المولى-خسرو (المتوفى : ٨٨٥هـ) دار إحياء الكتب العربية
- ❖ درر الحكام في شرح مجلة الأحكام، علي حيدر خواجة أمين أفندي (المتوفى : ١٣٥٣هـ) تعريب: فهمي الحسيني، دار الجليل

- ❖ رد المحتار على الدر المختار محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين
- الد مشقى الخفنى (المتوفى: ١٢٥٢هـ) الناشر: ابيج ايم سعيد، كراتشى
- ❖ سنن أبى داود أبوداود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن
- شداد بن عمرو (المتوفى: ٢٧٥هـ) الناشر: المكتبة العصرية، صيدا -

بيروت

- ❖ سنن الترمذى ت شاكر. شركة مكتبة و مطبعة مصطفى البابى الحلبي -

مصر. الطبعة: الثانية، ١٣٩٥هـ-١٩٧٥م

- ❖ سنن الدار قطنى، أبو الحسن على بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود
- بن النعمان بن دينار البغدادي دار قطنى (المتوفى: ٣٨٥هـ) شعيب
- الارنؤوط، حسن عبد المنعم شلبي، مؤسسة الرسالة، بيروت-لبنان
- ❖ الفتاوى الهندية: بجهة علماء برئاسة نظام الدين البلخى الناشر: مكتبة

حقانية، پشاور

- ❖ الفتاوى البرازية على هامش الهندية. مكتبة حقانية پشاور.

- ❖ الفتاوى النخيرية لنفع البرية، خير الدين الرملى الخفنى

- ❖ الفتاوى الكالمية، للشيخ محمد كامل الطرابلسى

- ❖ فتاوى قاضيان،

- ❖ فقہ حنفی کے اصول و ضوابط
- ❖ فیض التقدير شرح الجامع الصغير، عبدالرؤوف بن تاج العارفين  
المنأوي (المتوفى : ۱۰۳۱هـ) الناشر : المكتبة التجارية الكبرى - مصر  
الطبعة : الأولى، ۱۳۵۶ لبنان
- ❖ السنن الكبرى للبيهقي. الناشر : دار الكتب العلمية، بيروت -  
لبنان. الطبعة : الثالثة، ۱۴۲۴هـ-۲۰۰۳م.
- ❖ لسان الحكام في معرفة الأحكام، أحمد بن محمد بن محمد، أبو الوليد، لسان  
الدين ابن الشحنة التقفي الحلبي الحلبي (المتوفى : ۸۸۲هـ) البابي الحلبي -  
القاهرة
- ❖ المبسوط، محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (المتوفى :  
۴۸۳هـ) دار المعرفة - بيروت الطبعة : بدون طبعة تاريخ النشر :  
۱۴۱۴هـ-۱۹۹۳م
- ❖ مجلة الاحكام العدلية
- ❖ المحيط البرهاني في الفقه النعماني فقه الإمام أبي حنيفة، محمود بن أحمد بن  
عبد العزيز بن عمر بن نازة البخاري (المتوفى : ۶۱۶هـ) دار الكتب  
العلمية، بيروت - لبنان الطبعة : الأولى، ۱۴۲۴هـ-۲۰۰۴م

- ❖ الهداية في شرح بداية المبتدي، علي بن أبي بكر المرغيناني، (المستوفى :  
٥٩٣هـ) الناشر: دار احياء التراث العربي - بيروت - لبنان
- ❖ الهدية العلائية، لعلاء الدين الشامي، دار ابن حزم بيروت، لبنان